

آداب قوی

مصنف
شیخ الحدیث مولانا محمد قاسم قادری



فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
11	انتساب	.1
12	پیش لفظ	.2
13	تعارفِ مصنف	.3
20	مقدمہ	.4
	پہلا باب	
31	فتویٰ کے معنی اور اس سے متعلق آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ	.5
31	فتویٰ کا عام فہم معنی	.6
31	قرآنِ پاک کے فتاویٰ اور سوالات	.7
36	نامناسب سوال اور قرآن کا بیان	.8
	دوسرا باب	
42	آدابِ ساکین کے بارے میں	.9
42	علماء کی بارگاہ میں آنے کا طریقہ	.10
43	کس وقت مفتی سے سوال نہ کیا جائے؟	.11
43	ساکین کو چند مفید مشورے	.12
44	مسجِد پسند فتوے پر عمل کرنا	.13

46	مفتی کی غلطی پھیلانا	.14
	تیسرا باب	
48	اس میں مفتی کیلئے آداب و رسوم افتاء بیان کئے جائیں گے	.15
52	طبقاتِ فقہاء	.16
52	پہلا طبقہ	.17
53	دوسرا طبقہ	.18
53	تیسرا طبقہ	.19
53	چوتھا طبقہ	.20
54	پانچواں طبقہ	.21
54	چھٹا طبقہ	.22
55	ساتواں طبقہ	.23
55	مفتیانِ کرام کیلئے ایک اہم ہدایت	.24
57	مفتی ناقل کی تعریف	.25
58	اعلیٰ حضرت کے دو فتاویٰ	.26
58	پہلا فتویٰ	.27
58	دوسرا فتویٰ	.28
62	فتوے کی اہمیت اور اسلاف کا طرزِ عمل	.29
62	فتویٰ دینے میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل	.30

62	فتویٰ دینے میں تابعین کرام کا طرزِ عمل	31.
63	فتویٰ دینے میں امام ابو حنیفہ کا طرزِ عمل	32.
63	فتویٰ دینے میں امام شافعی کا طرزِ عمل	33.
64	فتویٰ دینے میں امام احمد بن حنبل کا طرزِ عمل	34.
64	فتویٰ دینے میں امام مالک کا طرزِ عمل	35.
65	فتویٰ دینے میں امام سفیان بن عیینہ کا طرزِ عمل	36.
65	غلط فتویٰ دینے کی سخت وعید	37.
67	حکومت اور مدارس کے بڑے اساتذہ کی ذمہ داری	38.
68	کیا ہر مسئلے کا جواب دینا واجب ہے؟	39.
82	اگر مفتی کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو	40.
85	ہر مسئلے کا جواب دینا	41.
86	ایسا فتویٰ دینا جس سے لوگ فتنے میں پڑیں	42.
88	فتویٰ کے آداب	43.
90	مفتی کب فتویٰ دے؟	44.
92	سوال میں احتیاطیں	45.
93	ساکلمین کو ترتیب سے جواب دینا	46.
94	مفتی سوال نہایت غور سے سمجھے	47.
94	سوال میں اشکال نہیں رہنا چاہیے	48.

94	کسی خاص شخص کے بارے میں فتویٰ	.49
95	مفتی کا مسائل کی حالت پر غور کرنا	.50
98	اعلیٰ حضرت کے دو فتاویٰ	.51
98	پہلا فتویٰ	.52
100	دوسرا فتویٰ	.53
101	مسائل پر نرمی کرنا	.54
101	مسائل کی خیر خواہی	.55
102	مفتی کا امر بالمعروف کرنا	.56
103	سوال سے زائد جواب دینا	.57
103	امت پر آسانی پیدا کرنا	.58
106	عقائد کے دقیق مسائل پر جواب	.59
107	عقائد کے مسائل میں فتویٰ دینا	.60
108	فتویٰ دینے میں جانبداری	.61
111	جلد بازی میں فتویٰ نہ دیا جائے	.62
112	جواب لکھنے میں غور کرنا	.63
113	معیّن جواب دیا جائے	.64
113	جواب مجمل نہ ہو	.65
114	مشکل الفاظ استعمال نہ کریں	.66

114	حیا والے الفاظ کا استعمال	.67
115	تحریری فتویٰ دینا	.68
115	فتویٰ شروع کرنے سے پہلے دعا	.69
115	تحریری فتوے میں چند احتیاطیں	.70
116	صاف ستھرے انداز میں فتویٰ لکھنا	.71
116	تحریری فتویٰ میں ایک احتیاط	.72
117	جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے	.73
117	جواب میں بعض چیزوں کی کمی یا زیادتی کرنا	.74
118	وراثت کے مسائل میں ایک اہم ہدایت	.75
119	جواب کتنا طویل ہو؟	.76
119	مفتی جواب میں مناسب تشبیہات لکھ دے	.77
120	فتویٰ میں قرآن و حدیث کا استعمال	.78
122	فتاویٰ رضویہ سے مثال	.79
127	فتویٰ میں مشاورت کرنا	.80
127	پروف ریڈنگ	.81
128	فتوے کے آخر میں نام لکھنا	.82
128	رسم المفتی کے چند اہم اصول	.83
129	فتویٰ کن کتابوں سے نہ دیں؟	.84

130	ہر مسئلے میں اس کے اصل ماخذ کو دیکھیں	.85
134	مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کرنے کی بنیادی وجہ	.86
140	فتویٰ نویسی کا اہم اصول	.87
140	فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام	.88
140	مسائل کی پہلی قسم:	.89
141	مسائل کی دوسری قسم:	.90
141	مسائل کی تیسری قسم:	.91
142	امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كِي كِتَابُونَ كِي تَرْتِيب	.92
143	اگر كسِي مسْئَلَة مِيں مَجْتَهَد سَة دُو قَوْل مَرْوِي هُون	.93
145	كسِي مَجْتَهَد كے اِيك مسْئَلَة مِيں مَخْتَلَف اقْوَال هُونَة كِي وَجْه	.94
146	مَجْتَهَد كَا كسِي مسْئَلَة سَة رَجُوع كَر لِينَا	.95
147	فقْه حَنْفِي مِيں مَخْتَلَف اقْوَال كِيُون؟	.96
148	اقْوَالِ ائِمَّة كے بَارے مِيں اِهْم هِدَايَت	.97
149	ائِمَّة دِين كے اقْوَال كَا مَطْلَب	.98
150	فقْه حَنْفِي كے مسْئَل كِي اَقْسَام	.99
150	اقْوَالِ ائِمَّة پَر عَمَل كَرْنَة كِي تَرْتِيب	.100
151	اقْوَالِ ائِمَّة پَر عَمَل كَرْنَة كِي تَرْتِيب كے مَتَعَلَق دُو اِهْم هِدَايَات	.101

152	فتویٰ نویسی میں ایک اہم ہدایت	.102
154	صرف اصول و قواعد کو دیکھ کر فتویٰ لکھنا	.103
157	فتویٰ نویسی میں چند اہم اصول	.104
159	فقہی کتابوں کی تین اقسام	.105
160	متون و شروح و فتاویٰ کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق	.106
160	متونِ فقہ	.107
161	شرحِ فقہ	.108
162	فتاوائے فقہ	.109
163	مختلف کتابوں کے مختلف انداز	.110
164	ترجیح کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ	.111
165	الفاظِ افتاء کے حوالے سے ایک اہم تنبیہ	.112
166	رسم المفتی کے اصولوں پر مبنی ایک شاہکار فتویٰ	.113
181	صحیح اور اصح کے مسئلے کی تفصیل	.114
182	مفہوم کی مباحث	.115
183	مفہوم موافق کی وضاحت	.116
183	مفہوم مخالف کی وضاحت	.117
184	احناف و شوافع میں اختلاف	.118
186	مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟	.119

186	مفتی عرف سے واقف ہو	.120
187	عرف کی بحث	.121
187	عرف کی تعریف	.122
191	عرف کی بنا پر کون مسائل میں تبدیلی کر سکتا ہے؟	.123
193	عرف اور اصل حکم میں تعارض کا حکم	.124
193	عرف کی اقسام	.125
194	عرف عام کی آسان الفاظ میں تفہیم	.126
195	عرف کی مزید اقسام	.127
196	مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے	.128
198	ضعیف قول پر عمل کرنے کا حکم	.129
199	اگر کسی مسئلہ میں علما کا اختلاف	.130
200	مفتی اگر غلط فتویٰ دیدے	.131
201	غلط فتویٰ دینے کے بارے میں اہم فتویٰ	.132
205	خاتمہ	.133
205	فتویٰ نویسی میں استعمال ہونے والے چند اہم اصول	.134

انتساب

راقم الحروف اپنی اس کتاب کو ائمہ مجتہدین رَضَوَانُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ کی طرف منسوب کرتا ہے جن کی محنتوں اور مجتہدانہ کاوشوں کی برکت سے آج امت کو دین آسان صورت میں ملا ہوا ہے۔

ابوالصالح محمد قاسم قادری عنفی عنہ

پیش لفظ

افتانہایت مہتمم بالشان کام اور اہم دینی ذمہ داری ہے۔ شریعت پر عمل کرنے کی سب سے اہم بنیاد شرعی مسائل کا معلوم ہونا ہے اور شرعی مسائل معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ مفتیانِ کرام سے مسائل معلوم کرنا ہے۔ مسائل پوچھنا اور ان کا جواب دینا دونوں نہایت ہی اہم کام ہیں۔ محدثین و فقہائے کرام نے ان کے باقاعدہ اصول و قواعد تحریر فرمائے ہیں۔ یہ کتاب بھی انہی اصولوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا مواد حاصل کر کے تنقیح و توضیح و تشریح کا کام راقم الحروف نے کیا ہے جبکہ تبویب و تحسین ترتیب کا کام عزیز می مولانا محمد کفیل رضا مدنی زید مجدہ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میری، میرے والدین اور اساتذہ کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔

ابوالصالح محمد قاسم قادری عنفی عنہ

تعارفِ مصنف

نام: محمد قاسم

ولدیت: حاجی محمد عبداللہ

کنیت: ابوالصالح

لقاب: شیخ الحدیث والتفسیر، مفتی

درس و تدریس:

2000ء سے تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ تدریس کا سلسلہ جامعۃ المدینہ گلستان جوہر

کراچی، فیضانِ مدینہ کراچی اور فیضانِ مدینہ فیصل آباد میں رہا اور فی الحال فیضانِ مدینہ کراچی میں تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

بیعت و خلافت:

بیعت کا سلسلہ امیر دعوتِ اسلامی، شیخ طریقت، امیر اہلسنت، مولانا محمد الیاس عطار

قادری دامت برکاتہم العالیہ سے ہے۔

حج و زیارتِ مدینہ:

2004ء میں عمرہ اور 2006ء میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

مفتی صاحب کی طبیعت:

قبلہ مفتی صاحب ایک اچھی طبیعت کے مالک ہیں، آپ کی طبیعت میں سنجیدگی،

مزاج، جلال، جمال تمام چیزیں ہی پائی جاتی ہیں۔ آپ ایک زبردست مفتی اور شیخ الحدیث و التفسیر ہونے کے باوجود ایک متمحل مزاج کے مالک ہیں، آپ کا اپنے شاگردوں سے معاملہ ایک استاد شاگرد کا ہی نہیں بلکہ ایک بہترین دوست کا بھی ہے آپ اپنے طلباء اور ماتحتوں پر شفیق و مہربان ہیں۔

مفتی صاحب بطور مدرس:

مفتی صاحب ایک مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مدرس بھی ہیں آپ کا تدریس میں تفہیمی انداز سبق کو بہت آسان کر دیتا جس سے طلباء کو اس سبق کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے آپ سبق کی تقریر میں ماحول کو تازہ رکھنے کیلئے بعض اوقات خوش مزاجی بھی فرماتے ہیں اور سبق میں موجود مسئلہ کو حالاتِ حاضرہ کے مسائل سے تطبیق بھی دیتے ہیں انہیں خصوصیات کی بنا پر آپ طلباء میں ہر دلعزیز ہیں اور جامعہ کے تمام طلباء کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کا پیریڈ انکے درجہ میں ہو۔

مفتی صاحب بطور مفتی:

مفتی صاحب نے جس طرح یہ کتاب لکھی، پڑھنے والے کو اس کتاب کے پڑھنے سے خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسی کتاب لکھنے والا ماہر مفتی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اسکے باوجود راقم الحروف کو مفتی صاحب کے پاس چونکہ کم و بیش دو سال کا عرصہ افتا کی تربیت میں گزرا اور اب بھی آپ سے فیض حاصل کر رہا ہوں تو وہ چند باتیں بغیر مبالغہ

کے قارئین کے نذر کروں گا جن کا راقم نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

قبلہ مفتی صاحب واقعی ایک بہترین فقہی صلاحیت والے مفتی ہیں اور راقم نے اس کتاب میں موجود تمام اصولِ افتا پر آپ کو عمل کرتا پایا آپ کا تربیتِ افتا کا انداز اس قدر دلنشین ہے کہ مختلف اسلامی بھائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر مفتی بننا ہے تو مفتی قاسم صاحب کی تربیت میں رہ کر افتا کی مشق کی جائے۔

آپ جہاں فتویٰ لکھنے والے کو غلط فتویٰ لکھنے پر تنبیہ فرماتے ہیں وہیں ایک دلنشین انداز میں اسکو سمجھاتے بھی ہیں اور اسکی غلطی کی منشا کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی ان سے نہ ہو، آپ افتا کے معاملہ میں کسی بھی مسئلہ پر اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرنے یا ان کی رائے لینے پر جھجکتے نہیں بلکہ بسا اوقات انکی رائے درست ہونے کی صورت میں اسے قبول بھی کرتے ہیں اور اسکی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں۔

آپ کے قلم اور تصدیق سے اب تک کم و بیش 30,000 فتاویٰ ملک و بیرون ملک جاری ہو چکے ہیں، اس کے باوجود احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے بلکہ جواب نہ معلوم ہونے کی صورت میں توقف یا لاعلم کا جواب ارشاد فرمانے میں ذرا سا بھی نہیں جھجکتے۔

آپ کی انہی صلاحیتوں کی بنا پر آپ استاذ الاساتذہ ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی المفتیین بھی ہیں۔

فقہ میں مہارت:

مفتی صاحب فقہ میں بہترین مہارت کے حامل ہیں جزئیات پر کثیر نظر ہے بالخصوص فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت، فتاویٰ شامی، فتاویٰ رضویہ جو کہ اس وقت 33 ضخیم جلدوں میں ہے اس کا آپ نے بالاستیعاب کئی مرتبہ مطالعہ فرمایا ہے بہار شریعت جو کہ موجودہ دور میں اردو کا فتاویٰ عالمگیری ہے اس کا کئی بار مطالعہ فرمایا ہے اور ان کے جزئیات پر نظر فقہی بھی ہے بہت سے مسائل جن کا حل نہیں ہو رہا ہوتا آپ سے اس مسئلہ پر مشورہ کرنے کے بعد اس کی شقوق کی وضاحت ہو جاتی ہے اور ان شقوق کی روشنی میں مسئلہ کا جواب دینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

مفتی صاحب کا علمی ذوق اور مطالعہ:

مفتی صاحب کا ذکر کروں اور آپ کے مطالعہ کا تذکرہ نہ کروں تو گویا آپ کے جسم کے ایک عضو کو میں نے آپ سے جدا کر دیا۔

کتابوں کا مطالعہ مفتی صاحب کے جسم ایک عضو کی حیثیت رکھتا ہے سفر میں ہوں یا حضر میں ہر جگہ کتاب میں آپ کے ہاتھ میں دیکھی جاتی اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کو وہ صلاحیت حاصل ہے کہ کئی کئی جلدوں کی کتابیں چند دنوں میں پڑھ کر ختم کر دیتے ہیں اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ انکے نکات بھی نوٹ کرتے جاتے ہیں جنہیں راقم نے خود مطالعہ کیا ہے ان نکات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کتاب پڑھتے ہوئے اس

کتاب پر کتنے اعتبار سے نظر رکھتے ہیں، کوئی بھی نئی کتاب آئی تو اسے متعلق سب سے پہلے ریمارکس راقم کو مفتی صاحب سے ہی ملے کہ اس کتاب میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا خامیاں ہیں۔

مفتی صاحب کو جس طرح خود مطالعہ کا شوق ہے اسی طرح آپ اپنا یہ شوق اپنے طلباء اور ماتحتوں میں بھی منتقل کرنا چاہتے ہیں اسی لئے اکثر طلباء و ماتحتوں کے مطالعہ کتب کا فرماتے ہیں اور پھر ان سے معلوم بھی کرتے رہتے ہیں کہ آپ آجکل کیا مطالعہ کر رہے ہیں اور پھر انہیں نئی مفید کتب کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔

مفتی صاحب کا مطالعہ صرف فقہی موضوعات پر ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر، منطق و فلسفہ، رد بد مذہب، سائنسی، سیاسی، تاریخی تمام موضوعات پر ہی ہے۔ آپ قبلہ مفتی صاحب سے جس موضوع پر گفتگو کریں گے اس میں آپ کو ماہر ہی پائیں گے۔

مفتی صاحب کے نامور تلامذہ:

مفتی صاحب جہاں استاذ الاساتذہ ہیں وہیں آپ استاذ المفتیین بھی ہیں آپ کی تربیت سے فیضیاب ہو کر کئی اسلامی بھائی اس وقت پاکستان کے مختلف دارالافتاؤں میں فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

(1) مفتی علی اصغر مدنی
(2) مولانا نواز ش علی مدنی

- (3) مولانا سجاد مدنی
 (4) مولانا ماجد علی مدنی
 (5) مولانا جمیل مدنی
 (6) مولانا احسان مدنی
 (7) مولانا شفیق مدنی
 (8) مولانا عرفان مدنی
 (9) مولانا سعید مدنی
 (10) مولانا نوید رضا
 (11) راقم الحروف محمد کفیل مدنی

تصانیف و تراجم:

مفتی صاحب نے امام اہلسنت کے کئی رسائل کی تسہیل کی اور اسے آسان انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا اور اسکے علاوہ کئی دقیق مسائل پر مقالہ جات بھی تحریر فرمائے اور کئی مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائیں مزید یہ کہ حال میں مفتی صاحب نے قرآن پاک کا اردو میں آسان انداز میں ترجمہ بھی کیا ہے جس کا نام کنز العرفان ہے جو ان شاء اللہ عنقریب آگے سامنے آئے گا۔

(1) ایمان کی حفاظت: اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(2) وقف کے احکام

(3) علم اور علما کی اہمیت

(4) فیضانِ دعا

(5) رحمتوں کی برسات

(6) رسائلِ قادریہ

اس کتاب میں آپ کے درج ذیل رسائل شامل ہیں:

(ا) الفضل الموهبی اذا صح الحدیث فهو مذہبی کی تسہیل

(ب) تقلید سے متعلق بد مذہبوں کے تمام اعتراضات کے جوابات

(ت) میلاد نبی کا ثبوت اور اس سے متعلق اعتراضات کے جوابات

(ث) علمِ غیب کا ثبوت

(ج) اللہ جسم سے پاک ہے اس کا ثبوت اور ایک بد مذہب ڈاکٹر کے اعتراضات کے

جوابات

(ح) حجیتِ حدیث کا ثبوت اور منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جوابات

(خ) قتلِ ناحق کا حکم اور اس کی اقسام کی تفصیل

(د) عشقِ رسول

(ذ) حضرت ابو بکر صدیق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کی فضیلت پر ایک جامع مضمون

بقلم

محمد کفیل رضامدنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا کروڑ احسان ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور اس کے اصول و قواعد اور کثیر احکام ہمارے سامنے روشن فرمائے جن سے مجتہدین نے روشنی حاصل کر کے امت کیلئے عمل کی راہیں منور کیں۔

علم دین کے حصول کے بغیر مسلمان کیلئے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہے۔ علم دین کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی ضرورت کے مسائل سیکھیں۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہر آدمی پر اپنی ضرورت کے مسائل سیکھنا ضروری ہے نمازی پر نماز کے، روزہ رکھنے والے پر روزے کے، زکوٰۃ دینے والے پر زکوٰۃ کے، حاجی پر حج کے، تجارت کرنے والے پر خرید و فروخت کے، قسطوں پر کاروبار کرنے والے کے لئے اس کاروبار کے، مزدوری پر کام کرنے والے کے لئے اجارے کے، شرکت پر کام کرنے والے کے لئے شرکت کے، مضاربت کرنے والے پر مضاربت کے (مضاربت یہ ہوتی ہے کہ مال ایک کا ہے اور کام دوسرا کرے گا اور نقصان جو ہو گا وہ مال والے کا ہو گا)، طلاق دینے والے پر طلاق کے، میت کے کفن و دفن کرنے والے پر کفن و دفن کے، مساجد و مدارس، یتیم خانوں اور دیگر ویلفیئرز کے متولیوں پر وقف اور چندہ کے مسائل سیکھنا فرض ہے۔ یونہی پولیس، واپڈا اور دیگر محکموں کے ملازمین نیز حج اور کسی بھی

ادارے کے افسروناظمین پر رشوت کے مسائل سیکھنا فرض ہیں۔ اسی طرح عقائد کے مسائل سیکھنا پونہی حسد، بغض، کینہ، تکبر، ریا وغیرہ جملہ امور کے متعلق مسائل سیکھنا ہر اس شخص پر لازم ہے جس کا ان چیزوں سے تعلق ہو پھر ان میں فرائض و محرمات کا علم فرض اور واجبات و مکروہ تحریمی کا علم سیکھنا واجب ہے اور سنتوں کا علم سیکھنا سنت ہے۔

اس مفہوم کی ایک حدیث سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ سرکارِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مومن پر فرض ہے یہ کہ وہ روزہ، نماز اور حرام اور حدود اور احکام کو جانے۔⁽¹⁾

اس حدیث کی شرح میں خطیب بغدادی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: حضور صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے اس فرمان علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت کے مسائل سیکھے۔⁽²⁾

اسی طرح کا ایک اور قول حسن بن ربیع رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے پوچھا کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کی تفسیر کیا ہے؟ فرمایا: یہ وہ علم نہیں ہے جس کو تم آج کل حاصل کر رہے ہو بلکہ علم کا طلب کرنا اس صورت میں فرض ہے کہ آدمی کو دین کا کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ اس مسئلے کے بارے میں کسی عالم سے پوچھے یہاں تک کہ وہ عالم اسے بتا دے۔⁽³⁾

1 کتاب الفقیہ والمتفقہ، 1/43

2 کتاب الفقیہ والمتفقہ، 1/45

3 کتاب الفقیہ والمتفقہ، 1/45

علی بن حسن بن شفیق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے پوچھا کہ علم سیکھنے کے اندر وہ کیا چیز ہے جو لوگوں پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ آدمی کسی کام کی طرف قدم نہ اٹھائے جب تک اس کے بارے میں سوال کر کے اس کا حکم سیکھ نہ لے، یہ وہ علم ہے جس کا سیکھنا لوگوں پر واجب ہے۔

اور پھر اپنے اس کلام کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اگر کسی بندے کے پاس مال نہ ہو تو اس پر واجب نہیں کہ زکوٰۃ کے مسائل سیکھے بلکہ جب اس کے پاس دو سو درہم (ساڑھے باون) تو لے چاندی یا یونہی ساڑھے سات تو لے سونایا انکی قیمت کے برابر تم) آجائے تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ سیکھے کہ وہ کتنی زکوٰۃ ادا کرے گا؟ اور کب نکالے گا؟ اور کہاں نکالے گا؟ اور اسی طرح بقیہ تمام چیزوں کے احکام ہیں۔ (یعنی جب کوئی چیز پیش آئے گی تو اس کی ضرورت کے مسائل سیکھنا ضروری ہو جائے گا۔)⁽¹⁾

حضرت علی المرتضیٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک تاجر کو تجارت کرنے سے پہلے علم فقہ سیکھنے کا حکم دیا۔⁽²⁾

امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ وہ کھانے پینے، پہننے میں اور پوشیدہ امور کے متعلق ان چیزوں کا علم حاصل کرے جو اس کے لیے حلال ہیں اور جو اس پر حرام ہیں۔ یونہی جان و مال کے بارے میں جو اس پر حلال ہے یا

1 کتاب الفقیہ والمتفقہ، 1/45

2 کتاب الفقیہ والمتفقہ، 1/45

حرام ہے انہیں سیکھے کیونکہ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن سے بے خبر رہنا کسی کو بھی جائز نہیں ہے اور ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ ان چیزوں کو سیکھے۔۔۔ اور امام یعنی حاکم وقت مجبور کرے عورتوں کے شوہروں، اور لونڈیوں کے آقاؤں کو (اور بچوں کے والدین کو) کہ وہ انہیں وہ چیزیں سکھائیں جو ہم نے ذکر کیں اور حاکم وقت پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کی اس بارے میں پکڑ کرے اور جاہلوں کو سکھانے کی جماعتیں ترتیب دے اور ان کے لئے بیت المال کے اندر وظیفہ مقرر کرے اور علماء پر واجب ہے کہ وہ جاہلوں کو وہ چیزیں سکھائیں جن سے وہ حق و باطل میں فرق کر لیں۔^(۱)

ان تمام اقوال سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم دین سیکھنا صرف کسی ایک خاص گروہ کا کام نہیں بلکہ اپنی ضرورت کی بقدر علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت علم دین سے دور نظر آتی ہے۔ نمازیوں کو دیکھیں تو چالیس چالیس سال نماز پڑھنے کے باوجود حال یہ ہے کہ کسی کو وضو کرنا نہیں آتا تو کسی کو غسل کا طریقہ معلوم نہیں، کوئی نماز کے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا تو کوئی واجبات سے جاہل ہے، کسی کی قرأت درست نہیں تو کسی کا سجدہ غلط ہے۔ یہی حال دیگر عبادات کا ہے خصوصاً جن لوگوں نے حج کیا ہو ان کو معلوم ہے کہ حج میں کس قدر غلطیاں کی جاتی ہیں۔ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو یہ کہتے نظر آتے ہیں

کہ بس حج کے لئے چلے جاؤ جو کچھ لوگ کر رہے ہوں گے وہی ہم بھی کر لیں گے۔ جب عبادات کا یہ حال ہے تو دیگر فرض علوم کا حال کیا ہوگا؟

حسد، بغض، تکبر، غیبت، چغلی، بہتان اور نجانے کتنے ایسے امور ہیں جن کے مسائل جاننا فرض ہے لیکن ایک بڑی تعداد کو ان کی تعریف کا پتہ تک نہیں بلکہ ان کی فرضیت تک کا علم نہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا گناہ ہونا عموماً لوگوں کو معلوم ہوتا ہے اور وہ چیزیں جن کے بارے میں بالکل بے خبر ہیں ان میں کیا حال ہوگا؟ جیسے خرید و فروخت، ملازمت، مسجد و مدرسہ اور دیگر بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ ان کے کچھ مسائل بھی ہیں۔ ایک اندھیر نگری مچی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص پر ضروری ہے خود بھی علم سیکھے اور جن پر اس کا بس چلتا ہو انہیں بھی علم سیکھنے کی طرف لائے اور جنہیں خود سیکھا سکتا ہے انہیں سکھائے۔

اگر تمام والدین اپنی اولاد کو اور تمام اساتذہ اپنے شاگردوں کو اور تمام پیر صاحبان اپنے مریدوں کو اور تمام افسران و صاحب اقتدار حضرات اپنے ماتحتوں کو علم دین کی طرف لگا دیں تو کچھ ہی عرصے میں ہر طرف دین اور علم کا دورہ دورہ ہو جائے گا اور لوگوں کے معاملات خود بخود شریعت کے مطابق ہوتے جائیں گے۔

مسائل سے لاعلمی و غفلت کا معاملہ جب اتنی گھمبیر صورت اختیار کر چکا ہے تو ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔ اس لئے ہر شخص پر ضروری ہے کہ علم دین سیکھے اور

حتی الامکان دوسروں کو سکھائے یا اس راہ پر لگائے اور یہ محض ایک مشورہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا حکم بھی ہے۔ چنانچہ،

حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک حاکم (نگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اسکی رعایا (ماتحتوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا پس شہر کا امیر (حکمران) لوگوں پر حاکم ہے اس سے اسکے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے اسکی بیوی کے بارے میں اور اس کے بارے میں جس کا وہ مالک ہے (غلام لونڈیوں کے بارے میں) پوچھا جائے گا جن کا وہ مالک ہے۔⁽¹⁾

ان تمام روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسائل شرعیہ کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ مسائل سیکھنے کے متعدد ذرائع ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ذریعہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ اس کی عادت بنالینا نہایت مناسب ہے۔ لیکن مطالعے کے ساتھ ساتھ بارہا علما اور مفتیانِ کرام سے سوال کرنے کی حاجت ضرور پیش آتی ہے کیونکہ اولاً تو تمام مسائل کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھے نہیں ہوتے، دوسرے نمبر پر کتاب میں لکھے ہوئے مسئلے کو اپنی پیش آمدہ صورت پر منطبق کرنا آسان کام نہیں ہے تو جیسے گھر کے چھوٹے موٹے کام آدمی خود کر لیتا ہے لیکن اہم اور بڑے کاموں کیلئے اس کام کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اسی طرح عام مسائل میں تو کتابوں سے دیکھ کر گزارا ہو جاتا ہے لیکن

بہت سے مسائل میں علمِ دین کے ماہرین یعنی علماء و مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کئے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کسی بااعتماد صاحبِ علم کی طرف رجوع کرے اور یہ خود قرآنِ پاک کا حکم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَسْأَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ (پ 14، النحل: 43) تو علم والوں سے پوچھو۔

اس لئے زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک عوام الناس سے جداگانہ صاحبِ علم حضرات کا ایسا گروہ موجود رہا ہے جو شرعی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر تمام صحابہ کرام فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ان میں مخصوص حضرات تھے جو فتویٰ دیتے تھے۔

صحابہ کرام میں مشہور مفتیانِ کرام

- (1) حضرت ابو بکر صدیق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (2) حضرت عمر فاروق اعظم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ
- (3) حضرت عثمان بن عفان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (4) حضرت علی كَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمِ
- (5) حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا (6) حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ
- (7) حضرت زید بن ثابت رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (8) حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا
- (9) حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا (10) حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

اس کے علاوہ اور بھی دیگر مفتی صحابہ موجود تھے جن سے عام صحابہ اپنے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔

اسی طرح صحابہ کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی نامور مفتیانِ اسلام گزرے جن میں

چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تابعین میں مشہور مفتیانِ کرام

- | | |
|---|-----------------------|
| (1) حضرت سعید بن مسیب | (2) حضرت حسن بن بصری |
| (3) عطاء بن ابی رباح | (4) علقمہ بن قیس نخعی |
| (5) شریح بن حارث قاضی | (6) ابراہیم نخعی |
| (7) امام اعظم ابو حنیفہ رَضَوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا اَجْمَعِیْن | |

ان کے علاوہ دیگر مفتی تابعین کرام۔

تابع تابعین میں مشہور مفتیانِ کرام

تابعین نے اپنے مابعد تابع تابعین میں بہترین مفتی چھوڑے جن میں چند کے نام ذکر

کئے جاتے ہیں:

- | | |
|---|----------------------|
| (1) امام ابو یوسف | (2) امام محمد |
| (3) امام زفر | (4) امام حسن بن زیاد |
| (5) ابن ابی لیلیٰ | (6) امام مالک |
| (7) حماد بن ابو حنیفہ اور دیگر اصحاب ابو حنیفہ رَضَوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا اَجْمَعِیْن۔ | |

تابع تابعین کے مابعد مشہور مفتیانِ کرام

تابع تابعین نے اپنے شاگردوں میں زبردست مفتی چھوڑے جن میں چند کے نام ذکر

کئے جاتے ہیں:

- (1) امام شافعی
 (2) امام احمد بن حنبل
 (3) امام ابو جعفر طحاوی
 (4) امام شمس الائمہ ابو بکر بن سہل
 سرخسی

(5) اور امام محمد اور امام ابو یوسف اور دیگر اصحاب ابی حنیفہ کے تلامذہ

گزشتہ ناموں سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں اس اہم کام کیلئے کچھ مخصوص افراد ہوتے تھے جو اس اہم کام کو بخوبی انجام دیتے تھے ہر کسی کو اس منصب پر چڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اسی طرح آج کے زمانے میں بھی فتویٰ دینا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ قرآن و حدیث اور ان سے استنباط کردہ مسائل کو سمجھنے، سمجھانے میں گزارا ہو اور ظاہری و باطنی اور خارجی و اندرونی اعتبار سے کوئی ایسی چیز ان میں نہ پائی جائے کہ ان کے فتویٰ پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔ یہ بات ہر کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص علم دین میں ناقص ہو یا سطحی معلومات رکھنے والا ہو یا اپنے سے پہلے گزشتہ تمام یا اکثر علما کے اقوال کو غلط قرار دیتا ہو اور صرف خود قرآن و حدیث سمجھنے کا مدعی ہو یا کھلا فاسق و فاجر ہو یا دین میں منافقت و مداہنت کرنے والا ہو یا دین فروش ہو یا لوگوں کو ان کی پسند کے مطابق فتویٰ دینے والا ہو یا فتویٰ دینے میں جانبداری کرنے والا ہو تو ایسے شخص کے فتوے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس طرح کی تمام باتوں کو سامنے رکھ کر علما کرام نے ایسے اصول مرتب کئے ہیں جس

سے فتویٰ نویسی میں غلطی کے امکان کم سے کم ہوں۔ یہ اصول سینکڑوں سال کے مشاہدات اور لاکھوں علما و فقہاء کے تجربات کے بعد تحریر کئے گئے ہیں اس لئے کسی ایک آدھ سر پھرے کے ان اصولوں کا انکار کر دینے کی وجہ سے ان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلے میں متعدد علما کرام نے مفتیانِ کرام اور سائلین یعنی سوال پوچھنے والا حضرات کے حوالے سے اصول اور آداب بیان کئے ہیں، جن میں امام نووی، علامہ ابن صلاح، فقیہ ابواللیث سمرقندی، علامہ ابن عبدالبر اور علامہ شامی رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابیں مشہور ہیں۔ ان اصولوں کو اصطلاح میں رسمِ الحفقی کہا جاتا ہے۔

اس کا بہت بڑا ذخیرہ اعلیٰ حضرت، مجددِ دین و ملت امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے فتاویٰ میں بھی ملتا ہے۔ راقم الحروف نے مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ دیگر متعدد کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کا ایک خلاصہ تیار کیا اور چند مباحث کے علاوہ اکثر و بیشتر اہم اور عام پیش آنے والے اصول و آداب کو جمع کر کے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس کے ساتھ ذاتی تجربات کو بھی سامنے رکھا ہے۔ اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان اصول و آداب کو جمع کیا جائے جو عوام اور علمادوں کو فائدہ دیں۔ چنانچہ،

اس کتاب کو مقدمہ کے علاوہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے:

(1) پہلے باب میں فتویٰ کا مفہوم اور اس سے متعلق قرآنی آیات و احادیث بیان کی ہیں جن سے سوال پوچھنے کی اہمیت کا معلوم ہوتا ہے۔ مزید اس میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ

سائلین / مستفتین بے جا سوالات ہر گز نہ کریں کہ وہ عوام اور مفتی دونوں کیلئے باعث پریشانی ہوتے ہیں اور پھر بے جا سوالات کی مذمت میں آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ بیان کی ہیں۔

(2) دوسرے باب میں یہ بیان کیا ہے کہ عوام الناس کس سے فتویٰ پوچھیں اور کس طرح فتویٰ پوچھیں سائل / مستفتی ایک مفتی سے کس انداز میں تحریری / زبانی سوال کرے اس کے آداب کیا ہیں تاکہ سائلین / مستفتین کو سوال کرنے کا بہترین انداز آئے اور مفتی کو پریشانی نہ ہو۔

(3) تیسرے باب میں بیان کیا ہے کہ جب سائل / مستفتی ایک قابلِ افتاء مفتی کے پاس پہنچ جائے اور اپنا سوال آدابِ استفتا کے مطابق پیش کر دے تو پھر مفتی اسکو کس طرح جواب دے، مفتی سوال کو کس طرح پڑھے اور کس طرح اس میں غور کرے، کن کن حالات میں جواب دے اور کن کتب سے جواب دے اور تعارض کتب کے وقت کن اصولوں کے تحت کسی مسئلہ کو ترجیح دے اور سائل کی پریشانی کو کس طرح حکم شرعی کے مطابق حل کرے۔

(4) خاتمہ میں وہ اصول بیان کئے ہیں جو بطورِ قاعدہ فقہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

پہلاباب

فتویٰ کے معنی اور اس سے متعلق آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ

فتویٰ کا عام فہم معنی

مسئلہ معلوم کرنے کیلئے سوال، استفتا اور استفسار کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور پوچھنے کے بعد مسئلہ بتانے کیلئے جواب اور فتویٰ کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرعی مسئلہ دریافت کرنا استفتا ہے اور دریافت کرنے پر جواب دینا فتویٰ ہے۔ سوال پوچھنے والے کو مسائل اور مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ جواب دینے والے کو مفتی اور مجیب کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک کے فتاویٰ اور سوالات

شرعی مسائل کیلئے سوال کرنا اور فتویٰ دریافت کرنے کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی موجود ہے چنانچہ درج ذیل آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

آیت نمبر 1:

ترجمہ کنز العرفان: اور اے حبیب! جب تم سے

میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ل

تو بیشک میں نزدیک ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے تو انہیں چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔

آیت نمبر 2:

ترجمہ کنز العرفان: تم سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم فرمادو، یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پچھلی دیوار توڑ کر آؤ، ہاں اصل نیک تو پرہیزگار ہوتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

فَلَيْسَتْ جَبُوبًا إِنِّي وَلِيُّ مَنُؤَابِي لَعَلَّهُمْ يَرْتَدُّونَ ﴿١٨٧﴾ (پ 2، البقرہ: 186)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْهَلَّةِ ۗ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٧﴾ (پ 2، البقرہ: 189)

آیت نمبر 3:

ترجمہ کنز العرفان: آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ مال باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کے لئے ہے اور تم جو بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۗ قُلْ مَا أَنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْآقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾ (پ 2، البقرہ: 215)

آیت نمبر 4:

ترجمہ کنز العرفان: آپ سے ماہِ حرام میں جہاد کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تم فرماؤ: اس مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔

يَسْأَلُكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ (پ2، البقرہ: 217)

آیت نمبر 5:

ترجمہ کنز العرفان: آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تم فرمادو: ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ دنیوی منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو زائد نہ بچے۔ اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

يَسْأَلُكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالنَّبِيِّ قُلْ فِيهِمَا إِشْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِشْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۗ (پ2، البقرہ: 219)

آیت نمبر 6:

ترجمہ کنز العرفان: اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے

وَيَسْأَلُكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ

ہیں۔ تم فرماؤ: ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر ان کے ساتھ اپنا خرچہ ملاو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جدا خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

لَهُمْ حَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَارْحَمْنَاكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢﴾ (پ2، البقرہ: 220)

آیت نمبر 7:

ترجمہ کنز العرفان: اور آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ مانگتے ہیں: تم فرماؤ کہ اللہ اور جو کتاب تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے وہ تمہیں ان (عورتوں) کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں (کہ ان کے حقوق ادا کرو) اور (وہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے) ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں جنہیں تم ان کا مقرر کیا ہوا (میراث کا) حصہ نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنے سے بے رغبتی کرتے ہو (حکم یہ دیتا ہے کہ تم یہ کام نہ کرو) اور کمزور بچوں کے بارے میں (فتویٰ دیتا ہے کہ ان کے حقوق ادا کرو) اور یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو نیکی کرتے ہو تو اللہ اسے جانتا ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِيهِنَّ ۗ وَمَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتْسَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرَعُونَ أَنْ تَتَّكِحُوهُنَّ ۗ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ ۗ وَأَنْ تَقْتُلُوا الْمُؤَلِّئَاتِ ۗ بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ حَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿٢٢﴾

(پ5، النساء: 127)

آیت نمبر 8:

ترجمہ کنز العرفان: اے حبیب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِي

تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کسی مرد کا انتقال ہو جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہو گا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی (حصہ ہوگا) اور اگر بھائی بہن ہوں (جن میں) مرد بھی (ہوں) اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

الْكَلَّةُ ط إِنْ أَمْرٌ وَأَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا النِّصْفَانِ مِمَّا تَرَكَ ط وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَصَلُّوا ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ع (پ 6، النساء: 176)

جس طرح قرآن پاک میں فتویٰ طلب کرنا اور فتویٰ دینا مذکور ہے اسی طرح احادیث مبارکہ میں بکثرت مذکور ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے والا ان باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اب ہم اپنے موضوع سے متعلق کلام کرتے ہیں۔

دوسرا باب

آدابِ سائلین کے بارے میں

علمائے بارگاہ میں آنے کا طریقہ

علماء کا منصب لوگوں کو دینی مسائل سے روشناس کرانا ہے اور عوام کا کام ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ علماء کے منصب کے مطابق ان کی عزت اور راحت و آرام کا خیال ضرور رکھا جائے۔

علماء کے اس طرح کے آداب کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا ایک فرمان نہایت جامع ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: عالم کے حق سے یہ بات ہے کہ اس سے بہت زیادہ سوال نہ کیے جائیں اور اس سے جواب لینے میں سختی نہ کرے اور جب اسے سستی لاحق ہو تو جواب لینے کے لئے اس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور جب وہ اٹھے تو اس کے کپڑوں کو نہ پکڑے اور اس کے راز کو فاش نہ کیا جائے اور نہ ہی اسکے پاس کسی کی غیرت کرو اور اسکے سامنے بیٹھو اور جب تم اس کے پاس آؤ تو اس کو خاص طور پر سلام کرو اور دوسرے لوگوں سے عام طور پر سلام کرو اور یہ بھی کہ اسکے رازوں کی حفاظت کرو جب تک وہ اللہ کے حکم کی حفاظت کرتا ہے بے شک عالم بمنزلہ کھجور کے درخت کے ہے جس کا تم انتظار کرتے ہو کہ کس وقت تمہارے اوپر اس سے کوئی چیز گرے اور عالم روزہ رکھنے والے اور نوافل

پڑھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی سے افضل ہے اور جب عالم وفات پاتا ہے تو اسکو 77 ہزار مقررین فرشتے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ جاتے ہیں اور عالم کی موت اسلام میں ایسا رخصت ہے جسے قیامت تک بند نہیں کیا جاسکتا۔⁽¹⁾

کس وقت مفتی سے سوال نہ کیا جائے؟

جس وقت مفتی کے اخلاق میں تغیر ہو یا اس کا دل کسی دوسرے کام میں مشغول ہو یا کوئی بھی ایسی صورت حال ہو جس میں غور و فکر کرنا مشکل ہوتا ہے اس وقت اس سے سوال نہ پوچھا جائے جیسے شدید غصے، یا بھوک یا پیاس، غم کے وقت یا بے پناہ خوشی یا اونگھ یا اکتاہٹ، شدید گرمی یا تکلیف دہ مرض میں ابتلا کے وقت سوال نہ پوچھا جائے۔

ساتھ میں کو چند مفید مشورے

مسئلہ معلوم کرنے والوں کو چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:

- (1) کوشش کرے کہ ایک ہی مفتی سے مسائل معلوم کرے۔
- (2) اس مفتی سے مسائل پوچھے جس سے اس کا رابطہ آسانی سے ہو سکے۔
- (3) مفتیانِ کرام میں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ علم اور تقویٰ میں دوسروں سے فائق ہے اس سے مسائل معلوم کرے۔

(4) ایک ہی مسئلہ متعدد مفتیانِ کرام سے نہ پوچھے کہ اس صورت میں عام طور پر یہ ہوتا

ہے کہ جس کا فتویٰ نفس کے مطابق ہوتا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

(5) بلا ضرورت مسائل نہ پوچھے۔ اولاً خود ہی مستند اور آسان کتابوں کا مطالعہ کرے جیسے فتاویٰ فیض الرسول اور بہارِ شریعت۔ جن مسائل میں حاجت ہو صرف انہی کے بارے میں دریافت کرے۔

(6) مسئلہ معلوم کرنے میں مفتی کی تعظیم ملحوظ خاطر رکھے۔ اس سے گفتگو کرنے میں، اس سے مسئلہ معلوم کرنے میں مودبانہ انداز اختیار کرے۔ پاؤں پھیلا کر نہ پوچھے، تم سے خطاب نہ کرے، کوئی ناپسندیدہ یا ناجائز کام کے متعلق پوچھے تو یہ نہ کہے کہ جیسے آپ کسی کے ساتھ یوں کاروبار کریں تو کیا حکم ہے۔ بلکہ زید و بکر کی مثالوں کے ساتھ پوچھے۔

مسئلہ پسند فتویٰ پر عمل کرنا

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مختلف مفتیانِ کرام سے مسائل پوچھتے پھرتے ہیں تاکہ کہیں سے ان کی غرض کے موافق فتویٰ مل جائے اور اس پر عمل کر لیں۔ یہ حقیقت میں شریعت پر نہیں بلکہ اپنے نفس کے حکم پر عمل کرنا ہے اور یہ بالاجماع ناجائز ہے۔

جو شخص کسی حکم شرعی پر عمل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر عمل کرے جسے اکابر علمائے راجح قرار دیا ہو یونہی کسی دوسرے کو فتویٰ دینا چاہتا ہے اس کیلئے

لازم ہے کہ اس قول پر فتویٰ دے جسے اکابر علما نے راجح قرار دیا ہو لہذا کسی ضعیف اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ البتہ چند ایک صورتیں ایسی ہیں جن میں ضعیف اور مرجوح قول پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس حکم پر فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے بڑے بڑے علما کا اتفاق ہے۔ لہذا اس مسئلے کے برخلاف عمل کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ دلائل کی روشنی میں جب ایک قول کو علما نے مضبوط اور راجح قرار دیا ہو تو اس کے برخلاف قول پر عمل کرنا حقیقتاً اپنی خواہش نفسانی پر عمل کرنا ہے اور شرعی احکام میں شریعت کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ناجائز و حرام ہے۔ راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول ایسے ہے جیسے وہ ہے ہی نہیں۔

اس مقام پر ہم نے جو یہ بات بیان کی کہ جس قول کو علما نے ترجیح دی ہو اس پر عمل کیا جائے گا یہاں کون سے علما مراد ہیں اس کی پہچان نہایت ضروری ہے کیونکہ یہاں یہ ہرگز مراد نہیں ہو سکتا کہ کسی قول کو کوئی بھی عالم درست کہہ دے تو اس پر عمل کر لیا جائے کیونکہ یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا معاملہ ہے لہذا اس میں انہی لوگوں کی بات پر اعتماد کیا جائے گا جنہیں قرآن و حدیث کے علوم پر مہارت ہو اور شریعت اسلامیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر ان کی گہری نظر ہو۔

مفتیِ خطا سے معصوم نہیں لہذا بقضائے بشریت مفتی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے ایسی

صورت میں عوام کو چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مفتی کی غلطی پھیلانا

عالم کی غلطی میں پہلی بات یہ یاد رکھیں کہ اگر اس نے اپنی طرف سے مسئلہ بیان کرنے میں جان بوجھ کر غلطی نہیں کی تو وہ گناہ گار نہیں بلکہ حدیث کے مطابق اس کو اس پر بھی ثواب ملے گا، اور دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ دوسروں کے لئے اس غلطی کو اچھلانا اور پھیلانا ناجائز و حرام ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی عالم کی خطا مل جائے تو اس عالم کے باعمل ہونے کے باوجود اس کی خطا کو اچھالتے ہیں اور پردہ پوشی کا سوچتے تک نہیں۔ اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں امام اہلسنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ فرماتے ہیں: اور اہلسنت سے بتقدیر الہی جو ایسی لغزشِ فاحش واقع ہو اس کا اخفا واجب ہے کہ مَعَاذَ اللهِ لوگ ان سے بد اعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام و سنت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع ہوگا، اس کی اشاعت، اشاعتِ فاحشہ ہے اور اشاعتِ فاحشہ بنص قرآنِ عظیم حرام۔

ترجمہ کنز العرفان: بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيَعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ^ط (پ: 18، النور: 19)

خصوصاً جبکہ وہ بندگانِ خدا جو حق کی طرف بے کسی عذروتاً مل کے رجوع فرما چکے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

من عير أخاه بذنب لم يمت حتى يعمله

ترجمہ: جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلایا وہ مرنے سے قبل اسی گناہ میں

ضرور مبتلا ہو گا۔⁽¹⁾

تیسرا باب

اس میں مفتی کیلئے آداب و رسومِ افتابیان کئے جائیں گے

اس بات کو تفصیل سے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ علما و فقہا کی کتنی اقسام ہیں اور کس درجے کے فقیہ اور عالم کا کیا مقام ہوتا ہے تاکہ جب ان میں سے کسی کا قول سامنے آئے تو اس کے درجے کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاسکے کہ اس پر کس حد تک عمل کیا جاسکتا ہے۔

علوم دینیہ میں اچھی مہارت حاصل کئے بغیر فتویٰ دینا نہایت خطرناک کام ہے کیونکہ ایک چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور کوئی شخص اپنی کم علمی کی وجہ سے اپنے اندازے سے ہی اسے حرام کہہ دے یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اور کوئی شخص بغیر علم کے اسے حلال کہہ دے تو یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ چنانچہ،

اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا نَعْمَلُ لَمْ يَأْتِكُمْ آيَاتُنَا وَرَأَوْا بَدَاهُنَا غُرَابًا مِّمَّا يَتَذَكَّرُ إِذْ أُنزِلَتْ سُورَةٌ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ الْآيَاتُ إِلَّا حُرَابًا مِّمَّا يَتَذَكَّرُونَ
ترجمہ کنز العرفان: اور تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو

عَلَىٰ اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾
 اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں
 (پ14، النحل: 116) گے۔

ایک اور مقام پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہنے کو کافروں کا فعل قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِجْلُونَ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ
 عَامًا لِيَوْمٍ أُطُوًّا عِدَّةً مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا
 مَا حَرَّمَ اللَّهُ طُرُيقًا لَهُمْ سَوْءٌ أَعْمَالِهِمْ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾
 ترجمہ کنز العرفان: مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر میں
 ترقی کرنا ہے، اس کے ذریعے ان کافروں کو گمراہ کیا
 جاتا ہے جو ایک سال کسی حرمت والے مہینے کو حلال
 قرار دے دیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام قرار
 دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی
 گنتی پوری کر دیں اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال
 کر لیں۔ ان کے برے کام ان کے لئے خوشنما بنا
 دیئے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔
 (پ10، التوبہ: 37)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس فعل کو نہایت بدترین قرار دیا ہے بلکہ حلال کو حرام کہنے اور حرام کو حلال کہنے کے فعل کو رب بننے اور ایسے علما کی باتیں ماننے کو رب ماننے کے برابر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

إِن تَحَدَّوْا أَحْبَابَهُمْ وَرُسُلَهُمْ أَرْبَابًا
 قَوْمٌ دُونِ اللَّهِ وَالسَّبِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ
 ترجمہ کنز العرفان: انہوں نے اپنے پادریوں اور
 درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح بن مریم

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾
کو (بھی) حالانکہ انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ
وہ ایک معبود کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی
معبود نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (پ10، التوبہ: 31)

اس آیت مبارکہ کی شرح میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ سورۃ برات کی (مذکورہ بالا) آیت پڑھ رہے تھے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ
لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے
تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کہتے تھے انہیں حرام مان لیتے تھے۔^(۱)

اسی بات کو سمجھاتے ہوئے عظیم حنفی فقیہ علامہ خیر الدین رملی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ارشاد
فرماتے ہیں: مختلف فیہ مسائل میں راجح مرجوح کو پہچاننا اور قوی و ضعیف کو جاننا علم فقہ کی
تحصیل میں بہت زیادہ کوشش کرنے والوں کی آخری آرزو ہے۔ مفتی اور قاضی کے لئے
فرض ہے کہ تحقیق کے بعد جواب دیں اٹکل بچونہ ہانک دیں۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال
کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے سے ڈریں اور اتباع ہوئی، خواہشات کی پیروی اور مال کی
طرف میلان حرام ہے۔ یہ تو بڑی آفت اور مصیبت کبریٰ ہے۔ غرض فتویٰ دینا نہایت اہم
کام ہے اس معاملہ میں بے باک تو بد بخت اور جاہل ہی ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فتاویٰ کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں: زوائد الروضہ میں

ہے کہ مفتی کیلئے اور عمل کرنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ غور و فکر کئے بغیر دو قولوں میں سے کسی بھی قول پر یاد و وجہوں میں سے کسی بھی وجہ پر فتویٰ دے دے یا عمل کرے۔ امام محقق علامہ قاسم بن قطلوبغا اپنی کتاب تصحیح القدوری کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ائمہ ثلاثہ میں ایسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو خواہشات پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ میں نے بعض قاضیوں کے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ اس میں یعنی کسی بھی قول کو لے لینے میں کیا حرج ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! خواہش کی پیروی حرام ہے اور راجح کے مقابلے میں مرجوح کا عدم ہے اور کسی مرجح کے بغیر متعارض اقوال میں ترجیح ناجائز ہے۔

امام ابن صلاحِ آدابِ مفتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لیجئے کہ جو شخص ترجیح میں غور نہیں کرتا اور محض اتنی بات پر اکتفا کرتا ہے کہ اس کا فتویٰ یا عمل کسی بھی قول یا کسی بھی وجہ کے مطابق ہو جائے اور وہ مختلف اقوال و وجوہ میں سے جس پر چاہتا ہے عمل کرتا ہے تو وہ نادان ہے اور خرقِ اجماع کرتا ہے۔⁽¹⁾

طبقاتِ فقہاء

علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان جن کی شہرت ابن کمال پاشا کے نام سے ہے، اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے: مقلد مفتی کے لئے اس شخص کا حال جاننا ضروری ہے جس کے قول پر وہ فتویٰ دے رہا ہے۔ اور حال جاننے کا مطلب محض نام و نسب اور وطنی نسبت جاننا نہیں ہے کہ محض اتنی بات بالکل بے فائدہ ہے بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مسائل روایت کرنے میں اس کا کیا مقام ہے اور مسائل کے دلائل سمجھنے میں اس کا کیا مرتبہ ہے اور طبقات فقہاء میں وہ کس طبقہ کا ہے۔ یہ باتیں جاننے سے مفتی کو کامل بصیرت حاصل ہوگی اور وہ مختلف رائیں رکھنے والے فقہاء کے درمیان امتیاز کر سکے گا اور متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے پر اسے کافی قدرت حاصل ہوگی۔ اس لئے ذیل میں ہم فقہاء کے طبقات بیان کرتے ہیں۔

فقہاء کے سات طبقات (درجات) ہیں

پہلا طبقہ

مجتہدین مطلق کا ہے جنہوں نے شریعت میں اجتہاد کیا ہے، مثلاً ائمہ اربعہ اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنہوں نے اصول فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے بغیر ادلہ اربعہ... (1) قرآن (2) حدیث (3) اجماع اور (4) قیاس سے فروعی احکام مستنبط کئے ہیں۔

دوسرا طبقہ

مجتہدین فی المذہب کا ہے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم کے دوسرے جو اپنے استاذ کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ

مجتہدین فی المسائل کا ہے۔ جن جزئیات میں امام اعظم اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں، یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں مثلاً خصاف، کرنی، حلوانی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خان وغیرہ۔ یہ حضرات امام اعظم کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ البتہ امام اعظم کے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان جزئیات سے احکام مستنبط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں امام اعظم سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھا طبقہ

اصحابِ تخریج کا ہے۔ یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں، مثلاً جصاص رازی اور ان کے ہم مرتبہ حضرات۔ ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان اصول کے مآخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے صاحبِ مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول

کی جو مجمل اور ذوق جہین ہوتا ہے یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول پیش نظر رکھ کر اور نظائر و امثال پر قیاس کر کے تفصیل و تعیین کر سکتے ہیں۔ ہدایہ میں جو کہیں کہیں آتا ہے کہ کذا فی تخریج الکرخی اور کذا فی تخریج الرازی۔

پانچواں طبقہ

اصحاب ترجیح کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی جیسے قدوری، صاحب ہدایہ اور انہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہا کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے جس کے لئے عام طور پر یہ تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں:

- (1) هذا اولی (یہ بہتر ہے)
- (2) هذا اصح رواية (اس کی روایت زیادہ صحیح ہے)
- (3) هذا اوضح (یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے)
- (4) هذا اوفق للقياس (یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے)
- (5) هذا ارفق للناس (اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے)

چھٹا طبقہ

اصحاب تمیز کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اقوی، قوی اور ضعیف اقوال کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ نیز ظاہر روایت، ظاہر مذہب اور روایت

نادرہ کے درمیان فرق کر سکتے ہیں۔ مثلاً متون معتبرہ کنز، وقایہ اور مجمع کے مصنفین۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہ کریں۔

ساتواں طبقہ

ان فقہا کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں اور مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر سکتے نہ کارآمد اور نئے اقوال میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والوں جیسا ہے۔

مفتیانِ کرام کیلئے ایک اہم ہدایت

موجودہ زمانے میں فتویٰ دینے اور مفتی کہلانے کا شوق بہت عام ہے۔ امام مسجد کو شوق ہے مولانا صاحب کہلوانے کا اور مولانا صاحب کو شوق ہے علامہ صاحب کہلانے کا اور علامہ صاحب کو شوق ہے مفتی صاحب کہلانے کا۔ حالانکہ فتویٰ دینا نہایت نازک کام ہے کیونکہ فتویٰ دینے والا بندے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہے اور اس نے لوگوں کو اللہ کا حکم بتانا ہوتا ہے تو جو مفتی نہیں اور مفتی بن کر فتویٰ دیتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث مبارک میں وعید موجود ہے اور اس بات کو قربِ قیامت کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ،

حضرت عبد اللہ بن عمرو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْتَرَاعًا يَنْتَرَعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنْ قَبْضُ الْعِلْمِ قَبْضُ الْعُلَمَاءِ،

فَإِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ دُعُوسًا جُهَلًا فَاسْتَلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم سکھا دینے کے بعد ان کے سینوں سے واپس نہیں لے گا بلکہ
علم کا جانا علما کے فوت ہو جانے کے ساتھ ہو گا۔ پھر لوگ اپنا سردار جاہلوں کو بنالیں گے ان
سے سوال کریں گے اور وہ بغیر علم کے ان کو جواب دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور
دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔⁽¹⁾

عموماً ایسے مفتی کہلانے والے حضرات کا مطالعہ نہایت قلیل ہوتا ہے۔ نہ کتابوں کا
مطالعہ، نہ اصولوں پر دسترس، نہ جزئیات پر عبور، نہ وسعتِ نظری، نہ کسی بڑے عالم کی
صحبت، نہ میں نہیں جانتا کہنے کی توفیق۔ ایسے حضرات کیلئے علامہ ابن حجر مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كَايَه
فتویٰ نہایت اہم اور مفید ہے۔

علامہ شامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نقل فرماتے ہیں: میں نے ابن حجر کے فتاویٰ میں دیکھا کہ ان
سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جو کتب فقہ کا خود مطالعہ کرتا ہے اور خود ہی
پڑھتا ہے اس کا کوئی استاد نہیں ہے اور پھر اپنے مطالعہ کتب پر اعتماد کرتے ہوئے فتویٰ دیتا ہے
تو ایسے شخص کا فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟

تو ابن حجر رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے جواباً ارشاد فرمایا: اس شخص کو کئی وجوہات کی بنا پر فتویٰ دینا
جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک عام جاہل شخص ہے وہ اپنے قول کو نہیں جانتا بلکہ وہ شخص
جو معتبر علما مشائخ کی کتب سے علم لیتا ہے تو اسکے لئے ایک دو کتابیں دیکھ کر فتویٰ دینا جائز

نہیں، بلکہ امام نووی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ایسے شخص کو دس بیس کتابوں سے دیکھ کر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ بسا اوقات دس بیس کتابوں کے مصنفین بھی مذہب کے کسی ضعیف مسئلہ پر اعتماد کر لیتے ہیں تو اس وقت ان علما کی تقلید بھی جائز نہیں بخلاف اس ماہر کے جس نے اہل علم سے علم حاصل کیا اور اس کے نفس میں فقہی ملکہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے وہ صحیح اور ضعیف قول میں تمیز کر لیتا ہے اور مسائل اور ان سے متعلق معتد بہ وجوہات کو بھی جانتا ہے تو ایسا شخص لوگوں کو فتویٰ دے سکتا ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

البتہ اگر ایسے شخص کے علاوہ کوئی اور اس مقدس منصب پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اسے سخت تعزیر اور زبردست زجر کیا جائے تاکہ اس جیسے دیگر افراد اس برے کام سے بچیں جو بے شمار مفسد کا دروازہ کھولتا ہے۔⁽¹⁾

مفتی ناقل کی تعریف

امام اہلسنت مفتی ناقل کے بارے میں فرماتے ہیں:

حدیث تفسیر و اصول و ادب و قدر حاجت ہیئت و ہندسہ، و توقیت اور ان میں مہارت کافی و ذہن صافی ہو اور نظر وافی ہو اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغالِ دنیویہ سے فراغِ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرطِ اعظم توفیق من اللہ جو ان شرط کا جامع ہو وہ اس بحرِ ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت

اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے۔^(۱)

اعلیٰ حضرت کے دو فتاویٰ

اسی سلسلے میں اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے دو فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

پہلا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص جس نے سوائے کتبِ فارسی اور اردو کے جو کہ معمولی درس میں پڑھی ہوں اور اس نے کسی مدرسہ اسلامیہ یا علما گرامی سے کوئی سند تحصیل علم نہ حاصل کی ہو اگر وہ شخص مفتی بنے یا بننے کا دعویٰ کرے اور آیات قرآنی اور احادیث کو پڑھ کر اس کا ترجمہ بیان کرے اور لوگوں کو باور کرائے کہ وہ مولوی ہے تو ایسے شخص کا حکم یا فتویٰ اور اقوال قابلِ تعمیل ہیں یا نہیں اور ایسے شخص کا کوئی دوسرا شخص حکم نہ مانے تو اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

سند کوئی چیز نہیں، بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی اُن کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہئے اور علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیبِ حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس و تدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمتِ علما کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیق مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج

کل کے صد ہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے، پس اگر شخص مذکور فی السوال خواہ بذات خود خواہ بفیض صحبت علما کا ملین علم کافی رکھتا ہے جو بیان کرتا ہے غالباً صحیح ہوتا ہے اس کی خطا سے اس کا صواب زیادہ ہے تو حرج نہیں اور اگر دونوں وجوہ علم سے عاری ہے صرف بطور خود اردو فارسی کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن و حدیث کا مطلب بیان کرنے پر جرأت کرتا ہے تو یہ سخت اشد کبیرہ ہے اور اس کے فتویٰ پر عمل جائز نہیں اور نہ اس کا بیان حدیث و قرآن سننے کی اجازت۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

اجراًکم علی الفتنیا اجراًکم علی النار

ترجمہ: جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت رکھتا ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ دلیر ہے۔

اور ارشاد فرمایا صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے:

من قال فی القرآن براہہ فاصاب فقد اخطاء

ترجمہ: جس نے قرآن کے معنی اپنی رائے سے بیان کئے اس نے اگر ٹھیک کہے تو غلط کہے۔

اور فرماتے ہیں صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتنبؤ مقعدہ من النار

ترجمہ: جو بغیر علم کے قرآن کے معنی کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔⁽¹⁾

دوسرا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے کو عوام پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند منشی عالم فاضل کی حاصل کی ہو اور خود ساختہ استفتا پر خود ہی جواب تحریر کر دے اور طلباء و مدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذات کا منفع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم و مولوی صاحبان و قاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زر حاصل کرنے کی غرض سے جاویدجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتا رہا اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتا ہے اور صدہا علما قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

بینواتوجروا۔

الجواب

سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں، ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر، اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر، نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرأت حرام ہے۔

حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتنی بغير علم لعنتہ ملئکتہ السما والارض

ترجمہ: جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔

اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سببِ لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض شمنِ قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكْرِمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣﴾ (پ، التوبہ: 3)

ترجمہ کنز العرفان: ان لوگوں کے لئے کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ تو ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت کرے اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

ثَلَاثَةٌ لَا يَسْتَخْفُ بِحَقِّهِمُ الْإِمْنَاغُ بَيْنَ النِّفَاقِ ذُو الْعِلْمِ وَذُو الشَّيْبَةِ فِي الْإِسْلَامِ وَ إِمَامٌ مَقْسُطٌ

ترجمہ: تین شخصوں کا حق ہلکانہ جانے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل۔

تحصیل زر کے لئے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلا وجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریقِ جماعت یا ترکِ جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم⁽¹⁾

فتوے کی اہمیت اور اسلاف کا طرزِ عمل

فتویٰ دینا ایک عظیم کام ہے اس کی فضیلت بہت زیادہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں نزاکت اور خطرہ بھی اتنا ہی زیادہ ہے۔ یہاں امام نووی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی کتاب سے اس بارے میں کچھ حصہ نقل کرتے ہیں تاکہ ہمیں بزرگانِ دین کے طرزِ عمل کا علم ہو کہ فتویٰ دینا ان کے نزدیک کس قدر نازک کام تھا۔

فتویٰ دینے میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل

عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی سوال پوچھا جاتا تھا تو وہ دوسرے کی طرف بھیج دیتا اور دوسرا تیسرے کی طرف حتیٰ کہ گھوم گھما کر وہ سائل پہلے آدمی کی طرف لوٹ آتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ان میں ہر کوئی پسند کرتا کہ اس کا کوئی بھائی حدیث بیان کرنے میں اور فتویٰ دینے میں اس کی طرف سے کفایت کرے یعنی وہ دوسرا جواب دیدے اور یہ نچ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا نے فرمایا: جس نے ہر سوال کا جواب دیا وہ مجنون ہے۔

فتویٰ دینے میں تابعین کرام کا طرزِ عمل

امام شعبی، امام حسن بصری اور ابو حصین رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ان تینوں تابعین نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم میں سے کوئی کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ دیدیتا ہے حالانکہ وہی مسئلہ اگر حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اس کیلئے اہل بدر صحابہ کرام کو جمع کر لیتے۔ یعنی تم بڑی آسانی سے مسائل کا جواب دیدیتے ہو جبکہ حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جیسی علم و عمل کی پیکر ہستی کا عالم یہ تھا کہ جن مسائل کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں بھی بدری صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور پھر جواب دیتے تھے۔

حضرت عطاء بن سائب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ایسے لوگوں (یعنی صحابہ و تابعین) کو پایا ہے کہ ان میں سے کسی سے اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو کانپتے کانپتے جواب دیتے۔

حضرت سفیان بن عیینہ اور سحنون رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا فرماتے ہیں: لوگوں میں فتویٰ دینے سے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا وہ شخص ہے جو ان میں علم کے اعتبار سے سب سے کم تر ہوتا ہے۔

فتویٰ دینے میں امام ابو حنیفہ کا طرزِ عمل

امام اعظم امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈرنہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں فتویٰ نہ دیتا۔ لوگوں کیلئے تو خوشی ہوتی ہے اور میرے اوپر بوجھ رہ جاتا ہے۔

فتویٰ دینے میں امام شافعی کا طرزِ عمل

امام شافعی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔

ان سے اس سلسلے میں مزید کچھ کہا گیا تو ارشاد فرمایا، میں اس مسئلے کا جواب اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک یہ نہ جان لوں کہ اس مسئلے میں خاموش رہنا بہتر ہے یا جواب دینا۔ (3,13)

فتویٰ دینے میں امام احمد بن حنبل کا طرزِ عمل

اشرم کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو (مسائل کے جواب میں) کثرت سے لا ادری یعنی میں نہیں جانتا کہتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور یہ آپ کے بکثرت کہے جانے والے الفاظ میں سے تھا۔

فتویٰ دینے میں امام مالک کا طرزِ عمل

بیشم بن جمیل کہتے ہیں: میں امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے اڑتالیس (48) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے بتیس (32) مسائل کے جواب میں فرمایا: میں نہیں جانتا۔

امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے یہ بھی مروی ہے کہ بعض اوقات آپ سے پچاس سوال کئے جاتے لیکن آپ کسی ایک مسئلے کا جواب بھی ارشاد نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے تھے: جو کسی مسئلے کا جواب دے تو اس سے پہلے اپنی جان کو جنت اور جہنم پر پیش کرے اور غور کرے کہ اس کا چھکارا کس صورت میں ہے۔ اس غور و فکر کے بعد جواب دے۔

ایک مرتبہ امام مالک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ کسی نے کہا: حضرت! یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔ یہ سن کر امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

غضبناک ہو گئے اور فرمایا علم کی کوئی چیز بھی معمولی نہیں ہوتی۔

فتویٰ دینے میں امام سفیان بن عیینہ کا طرزِ عمل

امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے امام سفیان بن عیینہ سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس میں ان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دینے کی صلاحیتیں پیدا فرمائی ہوں لیکن وہ فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ خاموش رہنے والے شخص تھے۔

صیمری اور خطیب فرماتے ہیں: جو شخص فتویٰ دینے کا حریص ہو اور فتویٰ دینے میں فوراً سبقت کرے تو اس کی توفیق کم ہو جاتی ہے اور اگر فتویٰ دینے کو ناپسند کرے اور فتویٰ دینے کا معاملہ دوسرے کی طرف پھیر دے تو اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوتی ہے اور اس کے جواب میں درستی کا پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اس مسئلے کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امارت (حکمرانی) نہ مانگو کیونکہ اگر تمہیں تمہارے مانگنے پر دی گئی تو تمہیں تمہارے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تمہیں بن مانگے دی گئی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔

غلط فتویٰ دینے کی سخت وعید

مشہور مالکی فقیہ امام ابو سعید عبد السلام بن سعید المعروف سخون فرماتے ہیں: لوگوں میں سب بڑا بد بخت وہ ہے جو اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ دے اور اس سے بھی بڑا بد بخت وہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت بیچ دے پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اس بات میں غور کیا کہ ایسا بد بخت کون ہو سکتا ہے تو میں نے ایسا شخص (غلط فتویٰ دینے

والے) مفتی کو پایا کہ اس کے پاس ایک شخص آکر طلاق کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے تو مفتی کہتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے حالانکہ اس کی بیوی کو طلاق ہو چکی ہوتی ہے تو وہ شخص تو جا کر اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ فتویٰ دینے والا دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت بیچ چکا ہوتا ہے۔

حضرت بشر بن حارث نے فرمایا: جو شخص پسند کرے کہ اس سے مسائل پوچھے جائیں وہ اس بات کا اہل ہی نہیں ہے کہ اس سے کچھ پوچھا جائے۔

امام ابوالحسن القاسمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے بارے میں ہے کہ فتویٰ دینا ان کے لئے سب سے مشقت والا کام تھا اور ایک مرتبہ فرمایا: مجھے اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا جس میں کسی دوسرے کو مبتلا نہ کیا گیا۔ (وہ کام فتویٰ دینا ہے۔) اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ ۗ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَقْتَرُوا عَلٰی
 اللهُ الْكُذِبَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَفْعَلُونَ
 عَلٰی اللهُ الْكُذِبَ لَا يُعْلِحُونَ ﴿١٧﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ

(پ 14، النحل: 116) ہوں گے۔

یہ فرمان اس شخص کو بھی شامل ہے جو فتویٰ دینے میں ٹیڑھا چلے اور حرام کے بارے میں کہے: یہ حلال ہے۔ اور حلال کے بارے میں کہے: یہ حرام ہے۔

حضرت ربیعہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں: بعض فتویٰ دینے والے ایسے ہیں جو چوروں سے

زیادہ جیل میں قید کئے جانے کے حقدار ہیں۔

حکومت اور مدارس کے بڑے اساتذہ کی ذمہ داری

لوگوں کے شرعی مسائل کے حل کیلئے ماہر علماء و مفتیانِ کرام کو مقرر کرنا اور ان کی کفالت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے یونہی اگر کوئی شخص غلط فتوے دیتا ہے یا فتووں کے ذریعے فساد پھیلا رہا ہے تو اس پر گرفت کرنا اور اسے اس سے منع کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے جیسا اوپر حضرت ربیعہ کا فرمان گزرا لیکن فی زمانہ حکومت دنیا جہان کا ہر کام تو کرتی ہے لیکن لوگوں کے دینی معاملات کو سنوارنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتی۔ ایسی صورت حال میں کہ جب صرف مدارسِ اسلامیہ ہی لوگوں کی شرعی رہنمائی کر رہے ہیں، مدارس کے مہتمم حضرات اور صدر مدرسین کی ذمہ داری ہے کہ اولاً: تو اپنے اداروں میں اچھے اور قابل مفتی رکھیں تاکہ لوگوں کو دین کے مسائل بتا سکیں۔

ثانیاً: اچھے اور قابل مفتی تیار کرنے کا انتظام کریں

ثالثاً: اپنے ادارے کے فارغ التحصیل طلبہ اور متعلقین کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں تو کہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا اہل نہیں اور اس نے فتویٰ دینا شروع کیا ہو ہے۔ اگر ایسی صورت ہو تو جہاں پر ایسے شخص کو روکنا ممکن ہو وہاں ضرور روکا جائے۔

کیا ہر مسئلے کا جواب دینا واجب ہے؟

علم کو کن صورتوں میں چھپانا جائز اور کن صورتوں میں ناجائز ہے اس میں تفصیل ہے۔ مفسرین و محدثین کرام رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ نے اس کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہے اور ان میں واضح فرمایا ہے کہ ان صورتوں میں علم دین کو چھپانا جائز ہے اور ان صورتوں میں ناجائز ہے۔ اس کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ،

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنْ
الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ
لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ
اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعُونَ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ کنز العرفان: بیشک وہ لوگ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرما دیا ہے تو ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (پ 2، البقرہ: 159)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

الکتمان ترک اظهار الشئ مع الحاجة اليه وحصول الداعی الی اظهاره لانه

متی لم یکن کذلک لایعد کتماناً۔

ترجمہ: جب مسائل بیان کرنے کی حاجت ہو اور ان کو ظاہر کرنے کا مطالبہ پایا جائے تو ایسی صورت میں ان مسائل کو نہ بیان کرنا کتمانِ علم ہے لیکن جب اس قسم کی ضرورت نہ ہو تو کسی کے خاموش رہنے سے کتمانِ علم کی وعید اس پر صادق نہیں آئے گی۔⁽¹⁾

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس آیت کے تحت المسئلة الثالثة بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

هذه الآية تدل على ان مايتصل بالدين ويحتاج اليه المكلف لايجوز ان يكتف
ومن كتمه فقد عظمت خطيئته۔

ترجمہ: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ علم دین رکھتے ہیں اور لوگ ان کی طرف محتاج ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ علم کو چھپائیں اور اس وقت جو علم کو چھپائے تو وہ بڑا گناہگار ہے۔⁽¹⁾

تفسیر کبیر میں مزید ہے:

هذا الاظهار فرض على الكفايه لاعلى التعيين وهذا لانه اذا ظهر البعض صار
بحيث يتمكن كل احد من الوصول اليه فلم يبق مكتوما واذا خرج عن حد الكتمان
لم يجب على الباقيين اظهاره مرة اخرى۔

ترجمہ: علم ظاہر کرنا فرض کفایہ ہے نہ کہ کسی معین شخص پر لازم ہے اسی لیے جب کچھ لوگوں نے بیان کر دیا تو یہ اس طرح ہو گیا کہ ہر ایک کو اس تک پہنچنا ممکن ہے تو یہ علم کا چھپانا نہ رہا اور جب یہ چھپانے کی تعریف سے نکل گیا تو بقیہ علما پر اس کا دوسری مرتبہ بیان کرنا واجب نہیں۔⁽²⁾

1 تفسیر کبیر، 2/ 140

2 تفسیر کبیر، 2/ 140، 141

تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے

ہیں:

واستدل بهذه الآية على وجوب اظهار علم الشريعة وحرمة كتمانها لكن
اشترطوا لذلك ان لا يخشى العالم على نفسه وان يكون متعينا والام يحرم عليه
الكتام الا ان سئل فيتعين عليه الجواب مالم يكن اثمه اكبر من نفعه -

ترجمہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرعی مسائل کا بیان کرنا واجب ہے اور ان کا چھپانا
حرام ہے مگر اس کی چند شرائط ہے کہ عالم کو مسئلہ بتانے میں نہ ہی اپنی جان کا خوف ہے
اور نہ وہ ایسا مسئلہ ہے جو فقط اسے معلوم ہے تو اس کو شرعی مسئلہ بیان کرنا واجب ہے ورنہ
اس کا نہ بتانا حرام نہیں ہاں اگر یہ مسئلہ اسی کو معلوم ہے تو اس پر اس کا بیان کرنا واجب ہے
جبکہ اس کا شر اس کے نفع سے زیادہ نہ ہو۔⁽¹⁾

الفتوحات الالہیہ توضیح تفسیر الجلالین للذائق الحنفیہ میں ہے:

وهذه الآية تدل على ان من امكنه بيان اصول الدين بالدلائل العقلية لمن
كان محتاجا اليها وكنتم شيئا من احكام الشرع مع الحاجة اليه هذه الوعيد ووفى
الخازن هل اظهار علوم الدين فرض كفاية او فرض عين فيه خلاف الاصح انه اذا
ظهر للبعض بحيث يتمكن كل واحد من الوصول اليه لم يبق مكنوما و قيل اذا سئل
العالم عن شئ يعلمه من أمر الدين يجب عليه اظهاره والافلا-

1 روح المعانی، 1، 2/581 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ترجمہ: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو دلائل عقلیہ کے ساتھ اصول دین بیان کر سکتا ہے اس شخص کے لیے جس کو اس کی حاجت ہے مگر وہ بیان نہیں کرتا یا حاجت کے وقت شریعت کے احکام میں سے کچھ چھپاتا ہے اور تفسیر خازن میں ہے کہ علم دین کا بیان کرنا فرض کفایہ ہے یا فرض عین ہے اس میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ جب بعض علمائے اس کو بیان کر دیا اس طرح کہ جو چاہے معلوم کر سکے تو یہ چھپانا نہ ہو اور کہا گیا ہے کہ جب عالم سے دین کے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے جس کو وہ جانتا ہے تو اس پر اس کا بیان کرنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں۔⁽¹⁾

علامہ قرطبی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تحریر فرماتے ہیں:

لايجوز تعليم الكافر القرآن والعلم حتى يسلم وكذا لايجوز تعليم المبتدع الجدل والحجاج ليجادل به اهل الحق ولا يعلم الخصم على خصمة حجة يقطع بهاماله ولا يعلم السلطان تاويلًا يتطرق به الى مكاره الرعية ولا ينشر الرخص في السفها فيجعلوا ذلك طريقا الى ارتكاب المحظورات وترك الواجبات ونحو ذلك يروى عنى النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ انه قال لا تمنعوا الحكمة اهلها فتظلموهم ولا تضعوها فى غير اهلها فتظلموها۔

ترجمہ: کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائے، اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے مناظرے کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی ایسے شخص

1 الفتوحات الالہیہ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الحنفیہ، 1/190

کو ایسی حجت کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کامال ہڑپ کر لے، اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں، سرکارِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ رکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔⁽¹⁾

تفسیر بحر محیط میں اس آیت کے تحت ہے:

أَنْ كَتَمَانَ الْعِلْمِ حَرَامٌ، يَعْنُونَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ لِقَوْلِهِ: (مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ)،
وَبَشَرَطٍ أَنْ يَكُونَ الْمَعْلَمُ لَا يَخْشَى عَلَى نَفْسِهِ، وَأَنْ يَكُونَ مُتَعَيِّنًا لِذَلِكَ . فَإِنْ لَمْ
يَكُنْ مِنْ أُمُورِ الشَّرَائِعِ، فَلَا تَحْرَجُ فِي كَتْمِهَا۔

ترجمہ: علم کو چھپانا حرام ہے اور ہم اس سے مراد شریعت کا علم لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾ کی وجہ سے اور یہ بھی شرط ہے کہ معلم کو اپنی جان کا خوف نہ ہو اور نہ ہی وہ اس کے لیے معین ہو۔ اور شرعی علم کے علاوہ کوئی اور علم چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔⁽²⁾

نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن میں حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق بھتر الوی
دَامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْعَالِيَهُ کتمان علم کب برا ہے بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

1 الجامع لاحکام القرآن، 2/185 مطبوعہ ایران

2 تفسیر بحر محیط

ان العالم اذا قصد كتمان العلم عصى واذا لم يقصد ه لم يلزمه التبليغ اذا عرف

انه مع غيره وامامن سئل فقد وجب عليه التبليغ۔

ترجمہ: بیشک عالم جب علم کو ارادۂ چھپائے گا گنہگار ہو گا اور جب مسائل کو ارادۂ نہ چھپائے تو اس پر تبلیغ لازم نہیں کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میرے بغیر اور حضرات یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں ہاں اگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بیان کرے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب رب تعالیٰ نے ﴿الْبَيْتِ وَالْهُدَىٰ﴾ ذکر فرمایا تو اسی سے واضح ہوا کہ جن چیزوں کی دین میں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو بیان کیا جائے ان کو قصداً چھپانا اور کسی کے مسئلہ پوچھنے پر چھپانا کتمانِ حق ہے۔^(۱)

مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: دین اور دینی علموں کا ظاہر کرنا فرض ہے بروقت ضرورت ان کو چھپانے والا سخت گنہگار اور لعنت کا مستحق۔ علما کو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور مسائل دینی کے اظہار میں تامل نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں غیر ضروری ہوں اور ان کی اشاعت میں فساد کا خطرہ ہو اسے شائع نہ کیا جائے دیکھو سرکارِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی موجودہ عمارت بنیادِ خلیلی سے کچھ کم ہے اور اس کی شکل میں کچھ فرق ہے کہ بجائے دو کے ایک ہی دروازہ ہے مگر اسے شہید کر کے درست نہ فرمایا کیونکہ اس فرق سے دین میں کوئی خرابی نہ آئی مگر اس کی اصلاح میں لوگوں میں فساد پھیلتا اس لئے قرآن کریم نے یہاں ﴿يَكْتُمُونَ﴾

1 نجوم الفرقان، 4 / 282 تا 284 مطبوعہ ضیا العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی

فرمایا یعنی جو ضروری چیزیں چھپائیں۔⁽¹⁾

اسی طرح قرآن پاک کی ایک اور آیت مبارکہ میں ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكُونَنَّ
مَعْبُودًا وَلَا دَرَسًا ظُهُورًا لَهُمْ وَاسْتَرَوْا
بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور یاد کرو جب اللہ نے ان
لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم
ضرور اس کتاب کو لوگوں سے بیان کرنا اور اسے
چھپانا نہیں تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ کے
پیچھے چھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی
قیمت حاصل کر لی تو یہ کتنی بری خریداری ہے۔

(پ 4، ال عمران: 187)

تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ اس کے بارے میں ارشاد
فرماتے ہیں:

واستدل بالاية على وجوب اظهار العلم وحرمة كتمان شئ من امور الدين
لغرض فاسد -

ترجمہ: اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ علم کا بیان کرنا واجب ہے
اور امور دین میں سے کسی چیز کا غرض فاسد کی وجہ سے چھپانا حرام ہے۔⁽²⁾

سنن ترمذی و سنن ابوداؤد شریف و سنن ابن ماجہ کی حدیث مبارکہ میں ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

1 تفسیر نعیمی، 2/ 112 نعیمی کتب خانہ گجرات

2 روح المعانی، 3.4/ 490

عليه وآله وسلم من سئل عن علم ثم كنتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار۔
ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ سرکارِ صَلَّ اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے
ارشاد فرمایا جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے نہیں بتائی تو اس کے منہ میں
قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔⁽¹⁾

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس حدیث مبارک کے تحت
ارشاد فرماتے ہیں:

هذا في العلم اللازم التعليم كاستعلام كافر عن اسلام ماهوا وحديث عهد به
عن تعليم صلاة حضر وقتها وكامل مستفتي في الحلال والحرام فانه يلزم في هذه
الامور الجواب لانوافل العلوم الغير الضرورية۔⁽²⁾

عبارت کا مفہوم اوپر گزر چکا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رحمۃ الباری اس حدیث مبارک کے تحت
مزید ارشاد فرماتے ہیں:

وهو علم يحتاج اليه السائل في أمر دينه ثم كنتمه بعدم الجواب أو يمنع
الكتاب۔

ترجمہ: اس سے وہ علم مراد ہے کہ کسی دینی معاملے میں پوچھنے والے کو اس کی حاجت پھر وہ

1 سنن ترمذی، 2/550 لاہور سنن ابوداؤد، 2/159 لاہور سنن ابن ماجہ، ص 23

2 مرقاہ شرح مشکوٰۃ، 1/438 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اُسے چھپائے جو اب نہ دے کر یا کتاب کی حاجت ہو تو کتاب نہ دے کر۔⁽¹⁾

اس حدیث مبارک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ارشاد فرماتے ہیں: یعنی اگر کسی عالم سے دینی ضروری مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بلا وجہ نہ بتائے تو قیامت میں وہ جانوروں سے بدتر ہو گا کہ جانور کے منہ میں چھڑے کی لگام ہوتی ہے اور اُس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں علم سے مراد حرام حلال فرائض واجبات وغیرہ تبلیغی مسائل ہیں جن کا چھپانا جرم ہے۔⁽²⁾

اشعة الممعات میں اس حدیث مبارک کے تحت ہے: یعنی جس علم کا جاننا ضروری ہو اور علما سے کوئی اور اسے بیان نہ کرنے والا بھی نہ ہو اور بیان کرنے سے کوئی صحیح عذر بھی مانع نہ ہو بلکہ بخل اور علم دین سے لاپرواہی کی بنا پر چھپائے تو اس مذکورہ سزا کا مستوجب ہو گا۔⁽³⁾

سنن ابن ماجہ میں ایک اور حدیث مبارک ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ من كنتم علما مما ينفع الله به في امر الناس امر الدين الجمه يوم القيامة بلجام من النار۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ سرکارِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے

1.....مرفاہ شرح مشکوٰۃ، 1/437

2.....مرآة المناجیح، 1/204 نعیمی کتب خانہ گجرات

3.....اشعة الممعات، 1/501 لاہور

ارشاد فرمایا: جو علم کو چھپائے جس علم سے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں اور دین میں نفع دیا ہو، اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔⁽¹⁾

اس حدیث کے تحت سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے:

امرالدين بدل من امرالناس يعنى ان هذا الوعيد مختص بكتمان علم الدين
 لالصنائع الدنيوية لان كتمان المنافع الدنيوية جائز لان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
 وَسَلَّمَ قال من استطاع ان ينفع احدا من المسلمين فليفعله فكتمان اهل الصناعات
 صناعاتهم ممنوع ايضا ولكن لابهذه المرتبة التي تستحق بها هذا الوعيد بل اهون
 من كتمان الدين وامام ينفذ في الدنيا ويضر في الاخرة فكتمانه مستحسن جدا۔
 ترجمہ: دینی علم کے چھپانے کا حکم دنیاوی علم چھپانے سے مختلف ہے کہ یہ وعید مخصوص ہے
 دینی علم کے چھپانے پر نہ کہ دنیاوی علوم پر اس لئے کہ دنیاوی طور پر اس کا چھپانا جائز ہے کہ
 سرکارِ صَلَّ اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو کسی کو نفع دے سکتا ہے تو چاہئے کہ وہ نفع دے،
 کارگیری کے فن کو چھپانا بھی دینی علم کے چھپانے کی طرح ممنوع ہے لیکن دین کے علم کے
 مقابل کارگیری کے فن کو چھپانے والا اس وعید میں نہ آئے گا، اور جس علم سے دنیا میں نفع
 ہوتا ہو اور آخرت میں نقصان تو ایسے علم کا چھپانا اچھا ہے۔⁽²⁾

بخاری و مسلم شریف کی حدیث مبارکہ ہے:

1 سنن ابن ماجہ، ص 23 کراچی

2 سنن ابن ماجہ، ص 23 کراچی

قال حدثنا انس بن مالك ان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ومعاذ رديفه على الرحل قال يامعاذ بن جبل قال لبيك يا رسول الله وسعديك قال يامعاذ قال لبيك يا رسول الله وسعديك ثلاثا مامن احد يشهد ان لاله الاالله وان محمدا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صادقامن قلبه الاحرمه الله على النارقال يا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افلاخبر به الناس فيستبشرون قال اذايتكلوا واخبر بها معاذ عند موته تاثما۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے خبر دی کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جبکہ حضرت معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ آپ کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے: اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا: لبيك يا رسول الله! وسعديك۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! انہوں نے کہا: لبيك يا رسول الله وسعديك، تین بار آپ نے معاذ کو یہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا: نہیں ہے کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی رسالت کی صدق دل سے گواہی دے مگر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے کہا: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کروں وہ خوش ہو جائیں گے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اس وقت وہ صرف اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ پھر حضرت معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے (ستمان علم کے) گناہ سے بچتے ہوئے اپنی وفات کے وقت اس کی لوگوں کو خبر دی۔^(۱)

1 صحیح بخاری، 1/24 کراچی و صحیح مسلم، 1/46 کراچی

حضرت علامہ یحییٰ بن شرف نووی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:
ومعاذ انه كان يحفظ علمايخاف فواته وذهابه يموته فخشى ان يكون ممن كتم
علمامن لم يتمثل امررسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في تبليغ سنته فيكون آثما
فاختاط واخبره بهذه السنة مخافة من الاثم علم ان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لم ينهه عن الاخبار بهانهي تحريم-

ترجمہ: حضرت معاذ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ علم کی حفاظت کرتے تھے اور ان کو خدشہ تھا کہ ان کی
موت سے یہ علم رخصت ہو جائے گا اور ان کا شمار علم کے چھپانے والوں میں ہو گا اور
رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے جو اپنی احادیث کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس پر ان سے
عمل نہیں ہو سکے گا اس لیے انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور موت سے پہلے یہ حدیث بیان
کردی اور ان کا یہ خیال تھا کہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے اس حدیث کو بیان کرنے سے
تحریماً منع نہیں فرمایا۔⁽¹⁾

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت ہے:

معنى التأثم التخرج من الوقوع فى الاثم وهو كالتحنت وانما خشى معاذ من
الاثم على كتمان العلم وكانه فهم من منع النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ان
يخبر بها اخبارا عمال قوله افلا ابشر الناس فاخذ هو اولابعموم المنع فلم يخبر بها احدا
ثم ظهر له ان المنع انما هو من الاخبار عموما فبادر قبل موته فاخبر بها خاصا من

الناس وهكذا في عمدة القاري وارشاد الساري شرح صحيح بخاری۔⁽¹⁾

عبارت کا مفہوم اوپر گزر چکا ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت مجددین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ارشاد فرماتے ہیں: اشاعت علم فرض اور ستمان علم حرام ہے۔⁽²⁾

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تحریر فرماتے ہیں: عالم و متعلم کو علم میں بخل نہ کرنا چاہیے مثلاً اس سے عاریت کے طور پر کوئی کتاب مانگے یا اس سے کوئی مسئلہ سمجھنا چاہے تو انکار نہ کرے کتاب دے دے، مسئلہ سمجھا دے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں جو شخص علم میں بخل کرے گا تین باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو گا یا وہ مرجائے گا اور اس کا علم جاتا رہے گا یا بادشاہ کی طرف سے کسی بلا میں مبتلا ہو گا یا علم بھول جائے گا۔⁽³⁾

مفسرین اور محدثین کرام رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے عدم جواز کی صورتیں یہ ہیں:

(1) جب مسئلہ پوچھا جائے اور سائل کو اس کی ضرورت بھی ہو تو مسئلہ بتانا واجب ہے اور نہ بتانے کی صورت میں گناہگار ہو گا۔

(2) اگر کسی کو کتاب کی حاجت ہو اور بغیر کسی سبب اور مانع کے کتاب نہ دی جائے تو یہ علم

1فتح الباری، 1/303 تا 304 و عمدة القاری، 2/314 و ارشاد الساری، 1/331

2 فتاویٰ رضویہ، 12/312

3 بہار شریعت، حصہ نمبر 16، 1/143 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

میں بخل کرنے کے قبیل سے ہے۔

(3) اگر علم کے معدوم ہونے کا خوف ہو تو پھر مسئلہ بتانا واجب ہے۔

(4) اگر مسئلہ بیان نہ کیا جائے تو مسائل کا نقصان ہو گا اس صورت میں بھی مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے۔

(5) اگر کسی مسئلہ میں اس کی گواہی کی ضرورت ہے تو اس کا گواہی دینا ضروری ہے۔

مفسرین اور محدثین کرام رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے جواز کی صورتیں یہ ہیں:

(1) اگر مسائل کو مسئلہ کی ضرورت نہیں تو اس کا بتانا واجب نہیں۔

(2) اگر علماء اس مسئلہ کو بیان کر چکے ہیں تو دوسرے علماء پر اس کا بتانا واجب نہیں۔

(3) اس عالم کے علاوہ دوسرے علماء بھی یہ مسئلہ بتا سکتے ہیں تو اس پر بتانا ضروری نہیں۔

(4) عالم کو اگر اپنی جان کا خوف ہے یا مسئلہ بیان کرنے میں شر ہوتا ہے تو نہ بتانے کی اجازت ہے۔

(5) شرعی علوم کا چھپانا ممنوع ہے دوسرے علوم کا چھپانا ممنوع نہیں۔ مثلاً کوئی لکڑی

کا کار یگر ہے یا لوہے کا کار یگر ہے تو اس پر کسی دوسرے کو یہ ہنر سکھانا واجب نہیں۔

(6) مسائل مسائل معلوم کر کے اہل حق سے بحث و مباحثہ کرتا ہو تو اس کو بتانا جائز نہیں۔

(7) اسی طرح عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز نہیں جن سے کام

لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں۔

اگر مفتی کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو

مفتی اگر کوئی مسئلہ نہیں جانتا تو یہ اس کیلئے کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ بڑے بڑے ائمہ دین ایسے گزرے ہیں جن سے مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔ لہذا مفتی کو چاہئے کہ ہر مسئلے کا جواب فی الفور دینے کی کوشش نہ کرے بلکہ جو مسئلہ معلوم نہیں اس کے بارے میں صاف کہہ دے کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا، غور کر کے یاد رکھ کر یا کسی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ بزرگانِ دین کا یہی معمول رہا ہے۔ راقم الحروف یہاں اپنی تصنیف علم اور علما کی اہمیت سے ایک اقتباس نقل کرتا ہے:

اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو بجائے اپنے اندازے سے جواب دینے کے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دینا چاہیے۔ ہمارے اسلافِ کرام کے دل چونکہ خوف و خشیتِ الہی سے لبریز ہوتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ حکمِ شریعت بتانا ایک نہایت ہی نازک کام ہے اس لئے جب تک مسئلہ یقینی طور پر معلوم نہ ہوتا تھا تب تک وہ مسئلہ ہرگز نہ بتاتے تھے بلکہ صاف اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیتے تھے اور ہونا بھی یہی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی سخت جو ابد ہی کرنی پڑے گی۔ بعض بزرگ فرماتے تھے کہ ہم اس وقت تک مسئلہ کا جواب نہیں دیتے جب تک یہ یقین نہ کر لیں کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو ہم اس کو یقین کے ساتھ بیان کر سکیں گے۔ اب اسی حوالے سے بزرگانِ دین کا عمل دیکھیں کہ وہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں کیا کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے تھے: اے لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو، جو نہیں جانتے اس پر اللہ اعلم (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہا کرو، کیونکہ علم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انسان جو بات نہیں جانتا اس سے لاعلمی کا اعتراف کر لے۔⁽¹⁾

حضرت مجاہد رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے میراث کا ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو کہنے لگنے: میں نہیں جانتا۔ کہا گیا: آپ جو اب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو جو بات معلوم نہ ہوتی تو صاف صاف انہی لفظوں میں اقرار کر لیا کرتے تھے۔⁽²⁾

حضرت ایوب سختیانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، کہنے لگے اس بارے میں مجھے کوئی حکم معلوم نہیں۔ عرض کیا گیا اپنی رائے دے دیجئے، فرمانے لگے: میری رائے اس مسئلے تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن نافع رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے حضرت ایوب سختیانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے ایک مسئلہ پوچھا، حضرت ایوب سختیانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ خاموش رہے۔ عبداللہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے کہا شاید آپ میرا سوال سمجھے نہیں؟ حضرت ایوب سختیانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے جواب دیا: سمجھ گیا ہوں۔ عبداللہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے کہا: پھر جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس پر آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے کہا: اس لئے کہ جواب معلوم نہیں۔⁽³⁾

خود امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے متعلق حضرت عبدالرحمن بن مہدی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے

1..... جامع بیان العلم وفضلہ، 2/110 بیروت

2..... اخلاق العلماء، ص 95، رقم 193

3..... الفقیہ، 2/173، 174

بیان کیا: ایک دن مجلس جمعی ہوئی تھی کہ ایک شخص نمودار ہوا اور کہنے لگا: اے ابو عبد اللہ! میں آپ کی خدمت میں چھ مہینے کی کڑی منزلیں طے کر کے پہنچا ہوں میری قوم نے ایک مسئلہ دریافت کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے فرمایا: جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اس نے مسئلہ پیش کیا تو دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا: میں اسے نہیں جانتا۔ سائل مبہوت ہو کر رہ گیا وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ ایسے شخص کے پاس جا رہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے اب صاف جواب سن کر سنائے میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا، لیکن حضرت لوٹ کر اپنی قوم سے کیا کہوں گا؟ امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے جواب دیا: ان سے کہنا کہ مالک نے مجھ سے کہا کہ تمہارے مسئلے سے میں ناواقف ہوں۔⁽¹⁾

عبد الرزاق راوی ہیں کہ امام مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا یہ قول بیان کیا: عالم جب لا ادری کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھو کر س کھانے لگتا ہے۔⁽²⁾

عقبہ بن مسلم رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کہتے ہیں، میں حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا کی صحبت میں چونیتس مہینے رہا اور برابر دیکھتا رہا کہ اکثر مسلوں پر لا ادری کہہ دیا کرتے اور میری طرف مڑ کے فرماتے: تم جانتے بھی ہو یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ چاہتے ہیں کہ ہماری پیٹھ کو جہنم تک اپنے لئے پل بنا لیں۔⁽³⁾

حضرت سعید بن جبیر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو کہنے لگے: مجھے نہیں معلوم

1..... المدخل، ص 96، رقم 195

2..... اخلاق العلماء، ص 96، رقم 195

3..... سنن دارمی، 1/68، 69، رقم 155

اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو علم نہ رکھنے پر علم کا دعویٰ کرے۔⁽¹⁾

ہر مسئلے کا جواب دینا

ہر مسئلے کا جواب دینا دانشمندی نہیں بلکہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اگرچہ مسئلہ معلوم بھی ہو تب بھی ہر مسئلے کا جواب نہیں دینا چاہیے کہ بعض اوقات کسی مسئلے کا بیان کرنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ حقیقتِ حال وہ نہیں ہوتی جو بتائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر مسئلے کا جواب دیں گے تو اس مسئلے کو کسی شخص کے خلاف غلط استعمال کیا جائے گا، اس چیز کا تجربہ مجھے بارہا ہو چکا ہے۔

اسی طرح کسی مشہور و معروف عالم یا کسی ادارے کے نام پر جواب نہ دیا جائے کہ بعض اوقات اس طرح بھی اس مسئلے کو غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں کہ جن میں جواب نہ دینا بہتر ہوتا ہے۔

اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرمایا کرتے تھے: جو کوئی ہر مسئلے میں فتویٰ دیتا ہے دیوانہ ہے۔⁽²⁾

اعمش کہتے ہیں: میں نے یہ قول حکیم بن عیینہ کو سنایا تو کہنے لگے: یہ بات میں نے پہلے

1 المدخل، ص 435، 436، رقم 811

2 جامع بیان العلم وفضله، 2/118 بیروت

سن لی ہوتی تو اتنے بہت فتوے نہ دیتا۔⁽¹⁾

سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے: فتوے پر جو جتنا زیادہ جری ہوتا ہے اس کا علم اتنا ہی کم ہوتا ہے۔⁽²⁾

ایسا فتویٰ دینا جس سے لوگ فتنے میں پڑیں

فتویٰ دینا اگرچہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کہیں مسئلہ بیان کرنے کی وجہ سے فتنہ نہ ہو لہذا عالم کو چاہیے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کیا جائے اور ایسے مسائل ان کے سامنے بیان نہ کیے جائیں کہ جن کا بیان کرنا شرعاً ضروری نہ ہو لیکن ان کے بیان سے فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جیسے بعض لوگوں کے بارے میں دیکھنے میں آیا ہے کہ وحدۃ الوجود اور اسی طرح تصوف کے دقیق مسائل عوام میں بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ ان مسائل میں بغیر علم کے گفتگو کر کے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اسی طرح بعض بداندیش اور بدخواہ قسم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ لوگوں کو شرعی مسائل کے ایسے ایسے حیلے بتاتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں عوام جائز و ناجائز ہر جگہ حیلے کرتے ہیں۔ یوں ہی بعض عالم کہلانے والے لوگوں کو ایسے دقیق مسائل بیان کرتے ہیں کہ وہ بیان کردہ صورتیں اگرچہ جائز و حلال ہوتی ہیں مگر حرام کی صورتیں بھی ان کے بالکل

1 سنن دارمی، 1/73، رقم 171

2 الفقیہ للخطیب، 2/166

ساتھ ہوتی ہیں اور پھر جب عام آدمی اپنی عقل سے فیصلے کرنے لگتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرام کو حلال سمجھ کے کر رہا ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اکابر صحابہ و تابعین رَضَوْنَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ کے یہ اقوال ملاحظہ فرمائیں:

قول نمبر 1:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے: لوگوں کی عقل سے زیادہ بات کہو گے تو کسی نہ کسی کے لئے فتنہ ضرور بن جائے گی۔

قول نمبر 2:

حضرت عروہ بن زبیر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا نے اپنے صاحبزادے ہشام سے کہا: جب کسی سے ایسی بات کہو گے جو اس کی عقل سے بالا ہے تو اس کے لئے گمراہی کا سبب بن جائے گی۔⁽¹⁾

حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا نے فرمایا: لوگوں سے وہی کہا کرو جو وہ سمجھ سکتے ہیں، ورنہ خدا اور رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو جھٹلانے لگیں گے۔⁽²⁾

قول نمبر 3:

ابو الطفیل کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو منبر پر فرماتے سنا: لوگو! کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی تکذیب کی جائے؟ ایسی باتیں نہ بیان کرو جن سے لوگ مانوس نہیں۔⁽³⁾

1 مقدمہ صحیح مسلم، 1/11

2 صحیح بخاری، 1/255، رقم 127

3 صحیح بخاری، 1/255، رقم 127

قول نمبر 4:

حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرمایا کرتے تھے: **رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ** کی حدیث سے میں نے دو طرف بھرے تھے، ایک انڈیل چکا ہوں یعنی تمہیں بتا چکا ہوں جبکہ دوسرا باقی ہے اسے بھی انڈیلوں (بتاؤں) گا تو تم میری گردن اڑا دو گے (یعنی وہ علم عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں)۔⁽¹⁾

قول نمبر 5:

حسن بصری رَضِيَ اللهُ عَلَيْهِ فرماتے تھے: خدا کے بدترین بندے وہ ہیں جو فتنہ انگیز مسائل ایجاد کر کے بندگانِ خدا کو فتنوں میں ڈالتے ہیں۔⁽²⁾

فتویٰ کے آداب

مفتی کو چاہئے کہ جب اس منصبِ عظیم پر بیٹھنے کا ارادہ کرے تو مندرجہ ذیل آداب کو ہمیشہ ملحوظ رکھے:

- (1) مفتی فضول کاموں سے بچے اور پسندیدہ کام اختیار کرے۔
- (2) مفتی فتویٰ لکھنے کی یعنی تحریر و کتابت کی اجرت لے سکتا ہے نفسِ فتویٰ کی اجرت نہیں لے سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ کاغذ پر اتنی عبارت کسی دوسرے سے لکھواؤ تو جو کچھ اس کی اجرت عرفادی جاتی ہے وہ مفتی بھی لے سکتا ہے کیونکہ مفتی کے ذمہ زبانی

1..... طبقات ابن سعد، 2/ 362

2..... المدخل، ص 230، رقم 307

جواب دینا واجب ہے لکھ کر دینا واجب نہیں مگر اُجرت تحریر لینے سے بھی اگر مفتی پر ہیز کرے تو یہی بہتر کہ خواہ مخواہ لوگوں کو چہ میگوئی کرنے کا موقع ملے گا۔ لوگ یہ کہیں گے کہ فتوے کی اُجرت لی اور فلاں شخص روپیہ لے کر فتوے دیتا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے نظر عوام میں فتوے کی بے وقعتی ہوتی ہے اور مفتی کی بھی بے عزتی ہے اور علما کو خصوصیت کے ساتھ ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جاہل مولویوں نے اس قسم کے رکیک افعال کر کے علما کو بدنام کر رکھا ہے ان کے افعال کو علما کے افعال قرار دیکر طبقہ علما کو بدنام کیا جاتا ہے۔⁽¹⁾

(3) مفتی فسق اور خلافِ مروت کاموں سے اجتناب کرے بیدار مغز ہو۔

(4) فتویٰ میں تساہل یعنی سستی سے کام لینا حرام ہے یعنی ایسی سستی کہ جس سے حلال و حرام میں فرق کرنے میں زیادہ محنت نہ کی جائے اور نتیجے کے طور پر حرام و حلال مل جائیں۔

(5) تساہل یعنی سستی کی ایک صورت یہ ہے کہ مسئلے میں غور و فکر کئے بغیر فوراً فتویٰ دیدے۔ اگر کسی مسئلے کی پہلے سے تحقیق ہے اور وہ مسئلہ پوچھا گیا اور فوراً جواب دیدیا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر مسئلے کا اچھی طرح علم نہیں اور بغیر تحقیق اور غور و فکر کئے اپنے اندازے سے فوراً جواب دیدیا تو یہ ناجائز ہے۔

(6) تساہل یعنی سستی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے مفتی حرام یا

مکروہ حیلوں کو تلاش کرے اور جس شخص سے نفع حاصل کرنا ہے اسے رخصتیں دے اور جس سے کوئی مخالفت ہے اسے سخت احکام بتائے یا مسئلے کی سخت صورتیں اس کیلئے نکالے۔

مفتی کب فتویٰ دے؟

اس سلسلے میں امام مالک رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے اس قول پر غور فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک ستر فقہائے کرام نے مجھے گواہی نہ دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں۔

ایک دوسری روایت میں امام مالک فرماتے ہیں: میں نے اس وقت تک فتویٰ نہ دیا جب تک میں نے اپنے سے زیادہ صاحب علم سے نہ پوچھ لیا کہ کیا وہ مجھے فتویٰ دینے کا اہل سمجھتے ہیں۔ امام مالک مزید فرماتے ہیں: کسی آدمی کیلئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی چیز کا اہل گمان کرے جب تک وہ اپنے سے زیادہ علم والے سے اس بارے میں پوچھ نہ لے۔

یہاں سمجھانے کیلئے ہم صدر الشریعہ، بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا ایک قول نقل کرتے ہیں: (جن لوگوں پر حکومت کی طرف سے پابندی لگانا ضروری ہے ان میں سے ایک جاہل مفتی ہے کہ لوگوں کو غلط فتوے دے کر خود بھی گمراہ و گنہگار ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کرتا ہے طیب ہی کی طرح آج کل مولوی بھی ہو رہے ہیں کہ جو کچھ اس زمانہ میں مدارس میں تعلیم ہے وہ ظاہر ہے اول تو درس نظامی جو ہندوستان کے مدارس میں

عموماً جاری ہے اس کی تکمیل کرنے والے بھی بہت قلیل افراد ہوتے ہیں عموماً کچھ معمولی طور پر پڑھ کر سند حاصل کر لیتے ہیں اور اگر پورا درس بھی پڑھا تو اس پڑھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اب اتنی استعداد ہوگئی کہ کتابیں دیکھ کر محنت کر کے علم حاصل کر سکتا ہے ورنہ درسِ نظامی میں دینیات کی جتنی تعلیم ہے ظاہر کہ اس کے ذریعہ سے کتنے مسائل پر عبور ہو سکتا ہے مگر ان میں اکثر کو اتنا بیباک پایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تو یہ کہنا ہی نہیں جانتے کہ مجھے معلوم نہیں یا کتاب دیکھ کر بتاؤں گا کہ اس میں وہ اپنی توہین جانتے ہیں اٹکل پچوچی میں جو آیا کہہ دیا۔ صحابہ کبار و ائمہ اعلام کی زندگی کی طرف اگر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود زبردست پایہ اجتہاد رکھنے کے بھی وہ کبھی ایسی جرات نہیں کرتے تھے جو بات نہ معلوم ہوتی اس کی نسبت صاف فرما دیا کرتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ ان نو آموز مولویوں کو ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیل درسِ نظامی کے بعد فقہ و اصول و کلام و حدیث و تفسیر کا بکثرت مطالعہ کریں اور دین کے مسائل میں جسارت نہ کریں جو کچھ دین کی باتیں ان پر منکشف و واضح ہو جائیں ان کو بیان کریں اور جہاں اشکال پیدا ہو اس میں کامل غور و فکر کریں خود واضح نہ ہو تو دوسروں کی طرف رجوع کریں کہ علم کی بات پوچھنے میں کبھی عار نہ کرنا چاہئے۔⁽¹⁾

سوال میں احتیاطیں

مفتی جب سائل سے سوال وصول کریں تو اس میں مندرجہ ذیل احتیاط اپنے اوپر لازم کرے:

- (1) سوال سائل سے لکھوائیں۔ خود سوال نہ لکھیں۔
- (2) سائل کے لکھے ہوئے سوالنامے والے کاغذ پر ہی جواب تحریر کریں۔ البتہ کمپیوٹر سے کمپوز کر کے دینے کی صورت میں سوالنامہ پر لکھا ہوا سوال بعینہ فتویٰ میں استفتا کی جگہ نقل کریں۔
- (3) سائل کو سوال لکھنے سے پہلے سمجھادیں کہ مختصر الفاظ میں اپنی تمام صورتِ حال لکھ دے۔ اس کی حاجت اس لئے ہے کہ عموماً سائل بہت سی باتیں زائد از ضرورت لکھ دیتے ہیں۔ اگر پہلے ہی سے تنبیہ کر دی جائے تو عموماً فائدہ ہوتا ہے۔
- (4) سائل سے تصریح کروالیں کہ آپ کا لکھا ہوا سوال آپ کی اصل صورتِ حال کے مطابق ہے۔
- (5) اگر سوال میں کوئی چیز وضاحت طلب ہو تو سائل سے معلوم کر کے اسی سے اضافہ کروائیں۔
- (6) اگر سوال خط کے ذریعے آیا یا سوال کسی کا ہے اور لانے والا دوسرا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس میں کوئی بات مبہم ہے یا سوال کی صورت ہی سمجھ نہیں آرہی تو ایسے سوال کا ہرگز جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ جو امور وضاحت طلب ہیں وہ معلوم ہونے پر ہی جواب دیا جائے۔ مبہم صورت میں جواب دینے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب سوال ہی معلوم

نہیں تو جواب کس بات کا دیا نیز جواب دینے کے بعد سائل نے دوبارہ سوال بھیج دیا کہ میرا سوال اصل میں دوسرا تھا اور آپ نے کسی اور سوال کا جواب دیدیا ہے تو ایسی صورت میں نئے سرے سے مشقت کرنی پڑے گی۔

(7) سائل اگر ایک ہی مسئلے کی متعدد صورتیں دریافت کرے تو اس سے اس کی پیش آمدہ صورت کی تعیین کروالیں کیونکہ ساری شقیں بتانا عموماً خلافِ حکمت ہوتا ہے بلکہ امام ابو الحسن قابسی مالکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: هذا تعليم للناس الفجور۔ یہ طریقہ لوگوں کو فسق و فجور سکھائے گا۔

سائلین کو ترتیب سے جواب دینا

مفتی کو چاہئے کہ جس ترتیب سے لوگ سوال پوچھیں یا سوالات کی تحریر دیں اسی ترتیب سے انہیں جواب دے۔ ہاں کوئی جواب تحقیق طلب ہے تو اس کا جواب تاخیر سے بھی دے سکتے ہیں۔ یونہی مرد اور عورتیں سوال پوچھنے کیلئے جمع ہیں تو عورتوں کو پہلے جواب دے کر رخصت کر دے۔ یونہی مقيم اور مسافر سوال پوچھنے کیلئے حاضر ہیں تو مسافر کو جواب دے کر رخصت کر دے۔

اگر کوئی ایمر جنسی کی صورت نہ ہو تو ترتیب کے مطابق جواب دینا مناسب ہے اور اگر

صوابدید پر جواب دیا جائے تو بھی غلط نہیں۔

مفتی سوال نہایت غور سے سمجھ

مفتی کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ مسائل کا سوال نہایت غور سے سنے اور اگر سوال لکھا ہو ہے تو اول تا آخر بغور پڑھے کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ سوال کا کچھ حصہ سنتے ہی مفتی یہ سمجھ لیتا ہے کہ پورے سوال کا علم ہو گیا لیکن حقیقت بات یہ ہے کہ اسکے کلام میں کہیں کوئی ایک آدھ لفظ یا جملہ ایسا ہوتا ہے جو تمام صورتِ حال کو تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسی معمولی سی لاپرواہی پورے فتوے کو تبدیل کر دیتی ہے اور اس کا نتیجہ مسائل کے حق میں بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ فتاویٰ میں طلبہ کی تربیت کے وقت یہ غلطی بکثرت دیکھنے میں آتی ہے۔

سوال میں اشکال نہیں رہنا چاہیے

سوال پڑھتے وقت اگر کسی بھی جگہ کوئی لفظ ابہام یا غلط فہمی پیدا کر رہا ہو اس کی مکمل وضاحت طلب کرے اور اس کو تبدیل کروائے۔ کبھی بھی سوال یا جواب میں ایسا لفظ باقی نہ رہنے دیں جس کی وجہ سے دو افراد اس کے دو علیحدہ مفہوم لے سکیں۔

کسی خاص شخص کے بارے میں فتویٰ

کسی خاص شخص کے بارے میں فتویٰ لکھنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ فی زمانہ ایک دوسرے کے خلاف فتوے لینا یا غلط بیانی سے کام لینا بہت عام ہے۔ نکاح، طلاق، امامت، خطابت، وراثت وغیرہا کے مسائل میں سینکڑوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ غلط بیانی سے کام لے کر لوگ فتویٰ حاصل کرتے ہیں اور بعد میں اس شخص کو بدنام کرتے ہیں اور بارہا کسی کے خلاف قانونی چارہ جوئی میں یا کسی پنچایت میں وہ فتویٰ استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے مفتی کیلئے نہایت ضروری ہے کہ ان موجودہ حالات کو پیش نظر رکھے

اور حتی الامکان معین شخص کے نام پر فتویٰ دینے سے اجتناب کرے۔ اس طرح کی صورتوں میں مفتی کو چند احتیاطیں کرنی چاہئیں:

(1) اگر دو فریقوں کا معاملہ ہے تو جب تک دونوں فریقوں کو بلا کر ان کی بات نہ سن لے تب تک فتویٰ نہ دے۔

(2) کوئی مشہور دینی یا دنیوی شخصیت ہے تو اس کے نام پر ہر گز فتویٰ نہ دے۔

(3) کسی مشہور سنی تنظیم کے خلاف فتویٰ نہ دے کہ بعض اوقات اس کے بارے میں بیان کردہ چیزیں غلط ہوتی ہیں اور بعض اوقات بیان کرنا نقصان دہ ہوتا ہے۔

(4) جہاں اس بات کا احتمال دیکھے کہ اس فتوے کا غلط استعمال ہو سکتا ہے وہاں ہر گز فتویٰ نہ دے۔

(5) اگر ایسی صورت حال پیش آئے کہ بہر صورت فتویٰ دینا ہی ہو گا تو ایسے مقام پر فتوے کے شروع میں یا آخر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرے جس سے واضح ہو جائے کہ یہ کسی خاص آدمی کے بارے میں نہیں ہے مثلاً یوں لکھ دے کہ یہ فتویٰ سوال میں بیان کردہ صورت کے مطابق دیا گیا ہے۔ کسی خاص واقعے یا صورت حال کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی کا مسائل کی حالت پر غور کرنا

مفتی کے لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ مسائل کی حالت و کیفیت پر نظر رکھے اور اس کے مطابق فتویٰ دے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں دو مسائلوں کو دو انداز میں

جواب دیا جاتا ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں ان مثالوں سے سمجھیں۔

مثال نمبر 1:

مسائل نوافل پر بہت زیادہ شدت کرنے والا ہے تو اسے نوافل کے بارے میں جواب دے کہ پڑھنا بہتر ہے اور نہ پڑھنا گناہ نہیں۔

مثال نمبر 2:

مسائل نوافل بالکل نہیں پڑھتا تو اسے اس انداز میں فتویٰ دے کہ نوافل کی بہت اہمیت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ و تابعین اور بزرگانِ دین نوافل کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، کیا معلوم کہ نوافل ہی ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

مثال نمبر 3:

مسائل طلاق کے مسائل پوچھ رہا ہے اور معلوم ہے کہ یہ بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا تو اسے طلاق کے ناپسند ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔

مثال نمبر 4:

مسائل رشتے داروں سے تعلق توڑنے کے جائز ہونے کی صورتیں پوچھ رہا ہے اور معلوم ہے کہ اسے بتائیں گے تو یہ ان کا غلط استعمال کرے گا تو ایسے آدمی کو صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی نہ کرنے کی آیات و احادیث بتائی جائیں۔

مثال نمبر 5:

سائل چرس، افیون وغیرہ کے استعمال کی جوازی صورتیں پوچھ رہا ہے اور معلوم ہے کہ سائل ان کا غلط استعمال کرے تو اسے ممنوع صورتیں ہی بیان کی جائیں۔

مثال نمبر 6:

سائل بکثرت بدگمانیاں کرنے والا ہے اور مفتی سے بدگمانیوں کی جائز صورتیں پوچھ رہا ہے۔ ایسے آدمی کو بدگمانی کی وعیدیں اور مذمتیں بیان کی جائیں۔

مذکورہ بالا صورتوں پر غور کرنے سے مزید سینکڑوں صورتیں سمجھ آجائیں گی کہ مفتی کو کہاں کیا جواب دینا ہے۔ اور حقیقت میں یہ تمام صورت اسی مسئلے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جس کو ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کا اپنے زمانے کے لوگوں سے واقف ہونا بہت ضروری ہے ورنہ وہ لوگوں کے حقوق ضائع کرے گا اور مخلوق خدا پر ظلم کا ذریعہ بنے گا۔ آئیے! اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا طرز عمل دیکھیں، آپ کی خدمت میں ایک شخص نے قاتل کی توبہ مقبول ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قاتل کی کوئی توبہ نہیں۔ پھر ایک اور شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قاتل کی توبہ مقبول ہے۔ کسی نے پوچھا کہ دو سالوں کو مختلف جواب کیوں دیا گیا تو آپ نے فرمایا: پہلے شخص کی آنکھوں میں ارادہ قتل دیکھا تھا تو اسے توبہ قبول نہ ہونے کا فتویٰ دیا اور دوسرا قتل کر کے آیا تھا تو اسے میں نے مایوس نہیں کیا۔⁽¹⁾

یونہی بعض اوقات مفتی کو کسی فتوے میں شدت اختیار کرنی پڑتی ہے اور کسی میں نرمی

تو جہاں جیسا موقع مناسب سمجھے اس کے مطابق عمل کرے۔ مثلاً سختی کی جگہ پر اس طرح کے الفاظ استعمال کرے جبکہ حقیقتِ حال بھی ایسی ہی ہو۔

- ❖ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔
- ❖ مجھے نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف کیا ہو۔
- ❖ جس نے اس مسئلے کا خلاف کیا اس نے واجب کا خلاف کیا۔
- ❖ حکمرانوں پر لازم ہے کہ اس مسئلہ پر عمل کروائیں اور اس میں کسی قسم کی چھوٹ نہ دیں۔

اعلیٰ حضرت کے دو فتاویٰ

اسکی مثال کے طور پر آپ فتاویٰ رضویہ کے ان دو فتوؤں کا مطالعہ کریں کہ یہاں سوال میں بیان کردہ امر کے بارے میں کس طرح شدید انداز اور الفاظ میں فتویٰ تحریر فرمایا گیا ہے:

پہلا فتویٰ

سوال یہ ہوا کہ مسجد کی چھت پر دکانیں بنائی جائیں اور اس مسجد کا کچھ حصہ کاٹ کر جوتے اتارنے کی جگہ بنا دی جائے اور مسجد کی کچھ جگہوں کو مسجد سے خارج کر دیا جائے تو کیسا ہے؟

الجواب

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالاخانہ حجرہ کا صحن و گزر گاہ کر دینا دوسرا حرام، اور اسے کرایہ پر اٹھا دینا تیسرا حرام، اور اس کی

آپچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑ لینا محدود کر دینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔
 غرض یہ افعال حرام در حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد
 کر کے مسجد مثل سابق کر دیں۔
 در مختار میں ہے:

لوبنی فوقہ بیتالامام لایضر لانہ من المصالح اما لوقت المسجديۃ ثم اراد
 البنا منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیہ فاذا کان ہذا فی الواقف فکیف
 لغيرہ فیجب ہدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرة منہ ولان یجعل
 شیئامنہ مستغلا ولا سکنی بزازیۃ۔

ترجمہ: اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنا دیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں
 سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ
 میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاتارخانیہ تو جب
 خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہو سکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو
 گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی
 حصہ کو ذریعہ آمدن یا رہائش گاہ جائز نہیں، بزازیہ۔

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے
 خارج کر دیا گیا اور اسے جو تاتار نے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل و مردود و حرام ہے،

اوقاف میں تبدیل و تغیر کی اجازت نہیں۔

لايجوز تغير الوقف عن هيأته۔

ترجمہ: وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔

مسجد کہ بجمع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے۔

قال الله تعالى: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ بیشک مسجدیں اللہ

تعالیٰ کی ہیں۔ یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فوراً فوراً اس ظلم کی منڈیر کو دور کر کے زمین مسجد

شامل مسجد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم⁽¹⁾

دوسرا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ

ایک مسجد شریف قدیم ٹھوس تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کر کر مغرب کی جانب

میں مسجد بنوائی اور مسجد قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجد جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر

دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی

دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا

ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے

سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب

مسجد مسجد ہو جانے کے بعد دوسرے کام کیلئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہ خانہ بدستور سابق بند کر دیں اور اب کہ مسجد جدید کو مسجد کر چکے اس کے تہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کر دینے سے پہلے دکانیں وقف مسجد کیلئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا، اب ہرگز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کر لیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم⁽¹⁾

سائل پر نرمی کرنا

اگر سائل صحیح طریقے سے بات نہ سمجھ پائے جیسے بعض لوگ اپنی بات کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس کا سوال صبر کے ساتھ سننا چاہئے۔ یونہی اگر سائل فوری طور پر جواب نہ سمجھ پائے جیسے بعض اوقات سائل کم فہم ہوتا ہے یا جواب مشکل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر نرمی کرے اور آسان سے آسان انداز میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر صبر کرنا بہت بڑے ثواب کا ذریعہ ہے۔

سائل کی خیر خواہی

مفتی کو چاہیے کہ مسئلہ بیان کرنے میں صرف مسئلہ بیان کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ اگر کسی جگہ مشورہ دینا مناسب ہو تو اچھا مشورہ بھی دے۔ مثلاً سائل اپنی بیوی کو تین

طلاقیں دینا چاہتا ہے تو اسے صرف تین طلاقوں کا مسئلہ ہی بیان نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ اسے تین طلاقوں کے نقصانات، خاندان کی اہمیت، مستقبل کے حوالے سے پیش آنیوالی صورتِ حال کے بارے میں بھی متنبہ کر دے۔ یونہی اگر سائل نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا ہے تو صرف اس کا حکم بیان نہ کرے بلکہ حتی الامکان اسے شریعت کے مطابق کوئی حل بھی بتادے۔

مفتی کا امر بالمعروف کرنا

مفتی کو صرف مسئلہ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرنی چاہیے بلکہ جہاں مناسب سمجھے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی سرانجام دے۔ مثلاً سائل سود یا کسی دوسرے گناہ کے بارے میں معلوم کر رہا ہے تو احسن انداز میں اسے سود کی حرمت، اس کی وعیدیں اور اس کے نقصانات بھی بیان کرے تاکہ وہ اس سے باز آئے۔ یونہی سائل کوئی کفریہ جملہ کہہ دے یا لکھ دے تو مَعَاذَ اللّٰہ! اللّٰہ تعالیٰ کے بارے میں شکوہ و شکایت کرے تو اسے مفصل انداز میں اللّٰہ کی عظمت، اس کی نعمتوں اور بندوں کی نافرمانیوں نیز کفر کی ہولناکیوں کے بارے میں قرآن و حدیث سے سمجھائے تاکہ وہ کفر سے توبہ کر لے۔

سائل اگر اپنی پریشانیاں بیان کرے تو اسے نماز، ذکر و درود، دعا وغیرہ کی تلقین کرے۔ الغرض مفتی اپنے آپ کو صرف مسئلہ بیان کر دینے والا نہ سمجھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک باعمل مسلمان، مخلص دوست، خیر خواہ مبلغ کے طور پر بھی پیش کرے۔ ان تمام باتوں کو اگر عملی طور پر دیکھنا ہو تو فتاویٰ رضویہ شریف کا نہایت غور کے ساتھ مطالعہ

کریں۔ للہیت، اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی، ان کے لئے دلسوزی، مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ، ان کی عملی حالت کو بہتر بنانے کی خواہش، ان کا باہمی اتفاق، نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت کو کس طرح جگہ جگہ بیان کیا ہے۔

سوال سے زائد جواب دینا

بعض اوقات سائل ایک سوال کرتا ہے اور اس کے سوال کے ساتھ ایک اور جواب اسے دیا جاسکتا ہے تو مفتی کے لئے مناسب ہے سائل کے سوال کے جواب کے ساتھ ساتھ دوسرا مسئلہ بھی اسے بتادے کہ یہ ایک شرعی حکم سکھانا ہے اور مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے جیسے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جواب ارشاد فرمایا: **هو الطہور مائہ والحل میتتہ۔** اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

امت پر آسانی پیدا کرنا

مفتی کے لئے ایک اہم بات یہ ہے کہ حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے امت کیلئے آسانی پیدا کرے۔ اپنے فتوے کو نرمی، شفقت، بشارت اور انسیت کا ذریعہ بنائے نہ کہ فتوے کی وجہ سے لوگوں میں تشویش و تنفیر اور سختی و شدت پیدا کرے۔ مشتبہات کے بارے میں ایسے کلام نہ کرے جیسے حرام کے بارے میں کرتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں ایسے کلام نہ کرے جیسے فرض کے بارے میں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کے رسالہ الاحلی من السکر کی یہ عبارت پیش نظر رکھے۔

اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں:

اے عزیز! مداراتِ خلق والفت و مواسات اہم امور سے ہے۔

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت بمدارة الناس الطبرانی فی الکبیر
عن جابر وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأس العقل بعد الايمان بالله التحبب
الی الناس الطبرانی فی الاوسط عن علی والبزار فی المسند عن ابی هريرة والشیرازی
فی الالقاب عن انس والبهیقى فی الشعب عنهم جميعا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا: مجھے لوگوں سے مدارات کیلئے
بھیجا گیا ہے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال انسانوں سے
محبت کرنا ہے۔ مگر جب تک نہ دین میں مداہنت نہ اُس کے لئے کسی گناہِ شرعی میں مبتلا ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: { لا یخافون فی اللہ لومة لائم } وقال تعالیٰ:

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمْ آفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ وقال تعالیٰ ﴿

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرَٰضَوْا مِنْكُمْ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٥٦﴾ وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لاطاعة لاحد فی معصية اللہ ائما الطاعة فی المعروف الشیخان و ابوداود

والنسائی عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم: لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق احمد الامام ومحمد الحاكم عن

عمران والحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اور ارشادِ خداوندی ہے: ان دونوں (زانی اور زانیہ) کے بارے میں تمہیں دینِ خداوندی میں نرمی نہیں کرنی چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ (لوگ) انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علیؓ کے لئے اللہ تعالیٰ و جہۃ الکریمہ سے روایت کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اسے امام احمد اور محمد حاکم نے حضرت عمران اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبہ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض و ترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروا نہ کرے اور اتیان مستحب و ترک غیر اولیٰ پر مداراتِ خلق و مراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت و ایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسومِ خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت و شاعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع و تنزہ کے لئے خلائی و جدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ و حکمتِ جلیلہ و کوچہ سلامت و جادہ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک و اہل تکشف غافل و جاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط و

دین در بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت و مقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں خبردار و محکم گیر یہ چند سطروں میں علم غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر (یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔) ^(۱)

عقائد کے دقیق مسائل پر جواب

بعض اوقات سائلین عقائد سے متعلق دقیق اور پیچیدہ مسائل پوچھتے ہیں ایسی صورت میں انہیں جواب دینے کی بجائے سمجھایا جائے کہ ان مسائل میں عوام کا پڑنا ان کے حق میں نقصان دہ ہے۔ لہذا جو اسلامی عقیدہ ہے وہ سن لیں اور اس پر اعتقاد رکھیں لیکن کی اس تفصیلات اور باریکیوں میں نہ جائیں۔ یہ آپ کیلئے نقصان دہ ہے جیسے کئی لوگ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسائل پوچھتے ہیں حالانکہ انہیں نہ اس کی حاجت اور نہ اس کے ساتھ ان کا کوئی عملی تعلق۔ ایسی صورت میں انہیں جواب نہ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اپنی ضرورت کے مسائل سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔

یونہی بعض اوقات سائلین عقیدے کے مسائل کے متعلق دلائل پوچھتے ہیں جیسے علم غیب، حاضر و ناظر وغیرہا اور ان کا مقصد ان دلائل کے ذریعے کسی کے ساتھ بحث کرنا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں سائل کو سمجھا دیا جائے کہ عقیدہ یہ ہے اور دلائل یہ ہیں لیکن آپ کا کسی کے ساتھ بحث کرنا جائز نہیں کہ بحث میں بہت سی باتیں ایسی سامنے آتی ہیں جو عام آدمی کو معلوم نہیں ہوتیں، اگر ان میں اپنی رائے سے کوئی جواب دو گے تو گمراہی تک

پہنچ سکتے ہوں نیز جب بحث کرو گے تو دم مقابل کے دلائل بھی سنو گے اور صحیح العقیدہ غیر عالم کے لئے بد مذہبوں کے دلائل سننے، پڑھنے کی اجازت نہیں۔

عقائد کے مسائل میں فتویٰ دینا

عقائد کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ان مسائل میں جہاں بد مذہب لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہاں تو صحیح عقیدہ بیان کیا جائے اور سمجھایا جائے لیکن جن مسائل کی حاجت نہیں ان میں کلام کرنے سے احتراز کریں۔ خصوصاً صفاتِ باری تعالیٰ کی بحثیں، قرآن کے غیر مخلوق ہونے، تقدیر اور عقائد اختلافیہ کی بحثیں عوام کو فائدہ نہیں دیتیں بلکہ ان کیلئے الٹا نقصان دہ ہے۔ یونہی بطورِ خاص متشابہات پر کلام کرنے سے بچے اور ان کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ ہی بیان کرے۔

امام نووی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تحریر فرماتے ہیں: امام غزالی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے کلام کے بارے میں کوئی سوال پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا: اللہ کے کلام کے بارے میں غور و فکر کرنا کہ وہ حرف و آواز ہے یا نہیں ہے؟ یہ بدعت ہے اور ہر وہ شخص جو عوام کو اس مسئلے میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہ دین کے پیشواؤں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ گمراہ کرنے والوں میں سے ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو تیر نے کافرنہ جاننے والے بچوں کو سمندر میں تیراکی کرنے کی دعوت دیتا ہے اور جو اپنا حج معذور آدمی کو بغیر

سواری کے خشکی کے میدانوں کے سفر کی دعوت دیتا ہے۔⁽¹⁾

فتویٰ دینے میں جانبداری

فتویٰ دینے میں کبھی بھی جانبداری نہ برتی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم

ارشاد فرمایا:

ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ چاہے تمہارے اپنے یا والدین یا رشتے داروں کے خلاف ہی (گواہی) ہو۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ ان کے زیادہ قریب ہے تو (نفس کی) خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ عدل نہ کرو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ
بِالنِّسْبِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ
أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ
غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۚ فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوَّا
أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ﴿٥٧﴾ (پ 5، النساء: 135)

مزید فرمایا:

ترجمہ کنز العرفان: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بیشک اللہ تمہیں کیا ہی

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ
إِلَىٰ أَهْلِهَا ۚ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا
يُعْظَمُ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا

خوب نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

بَصِيرًا ﴿٥٥﴾ (پ5، النساء: 58)

جانبداری کی بنیاد پر فتویٰ دینے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ دوستی، رشتے داری، مالی نفع، دنیوی فائدہ، محبت یا نفرت وغیرہا۔ مفتی پر فرض ہے کہ اس طرح کی کسی بات کی وجہ سے فتویٰ میں تغیر نہ آنے دے۔ مفتی کو ایسا ہونا چاہئے جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى
الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۝

ترجمہ کنز العرفان: مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

(پ6، المائدہ: 54)

لہذا مفتی کو نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کرنی چاہیے اور نہ کسی کے تعلقات اس کے آڑے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ تعلق والے کو مسئلہ نرم انداز میں اور بالکل ہلکا کر کے بیان کیا جائے اور عام آدمی یا کسی مخالف کے بارے میں زبان اور قلم کو سخت کر لیا جائے۔ یونہی کسی بھی شرعی مسئلے میں کسی فرد یا جماعت کے ساتھ مفتی کی وابستگی اسے حق بیان کرنے سے مانع نہ ہو۔ آئیے اس سلسلے میں امام اہلسنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کا ایک فتویٰ دیکھیں کہ انہوں نے ایک جلیل القدر عالم اور اپنے قریبی دوست کے غلط فتوے اور فیصلے پر اپنا ردِ عمل کس طرح ظاہر کیا اور اس بارے میں ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو کس طرح ایک جانب رکھ دیا چنانچہ آپ اپنے اس دوست

کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں مسائل کو ارشاد فرماتے ہیں:

انکشافِ حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے، لاسیما اہل علم۔ جو بات نہ تو کافی ہیں نہ مفید برات اگرچہ مجھ سے صرف بر تقدیر صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصب افتا کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورت مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق (تاخیر) کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کاروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ جتنا خواص و تفتیش سے کام لیا اس کی شاعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمتِ اسلام و رفع غلط عوام پر بحمد اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ
 بِالنِّسْبِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ
 (پ5، النساء: 135) چاہے تمہارے اپنے خلاف ہی (گو اہی) ہو۔

ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! اللہ کے لئے
 گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ

بلکہ حقیقتاً حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

أَنْصُرُ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ ذَلِكَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ
 تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ يَكُ ظَالِمًا فَارِدِدُهُ عَنْ ظُلْمِهِ وَإِنْ يَكُ مَظْلُومًا فَانصُرُهُ، رَوَاهُ
 الدارِمِيُّ وَابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔

ترجمہ: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کیسے؟ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو

اور مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرو۔ لہذا امیدِ واقعہ ہے کہ جواب سوال میں اظہارِ حق سنگِ راہِ مراسمِ قدیمہ نہ ہوگا۔⁽¹⁾

جلد بازی میں فتویٰ نہ دیا جائے

جلد بازی میں کبھی بھی فتویٰ نہ دیا جائے کہ اس کی وجہ سے عموماً غلطی ہو جاتی ہے۔ ایک اچھا مفتی بننے کیلئے ضروری ہے کہ ہر مسئلے میں مکمل غور کرنے کے بعد جواب دے اور ہر مسئلے کو متعدد کتابوں سے دیکھ کر جواب دے۔ بعض اوقات سائل جلدی مچاتے ہیں۔ ان کے جلدی مچانے کی پروا نہ کرے اور اپنی کامل تسلی کے بعد ہی فتویٰ دے۔

امام سخون بن سعید مالکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص کسی دورِ دراز کی جگہ سے آپ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا اور تین دن تک آکر پوچھتا رہا اور آپ ہر مرتبہ اسے لوٹاتے رہے۔ جب اس نے جواب کیلئے زیادہ اصرار کیا تو آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! میں تیری اس بات کی وجہ سے اپنا گوشت اور خون جہنم کی آگ کے حوالے نہیں کر سکتا۔⁽²⁾

بلکہ فتاویٰ نوازل میں ہے کہ امامِ اعظم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بعض اوقات ایک ایک سال تک کسی مسئلے کا جواب نہ دیتے بلکہ غور کرتے اور آپ نے ارشاد فرمایا: آدمی کا غور و خوض کرنے کے بعد بھی جواب دینے میں خطا کر جانا اس سے بہتر ہے کہ بغیر سوچے سمجھے صحیح جواب

1 فتاویٰ رضویہ، 16 / 371 تا 372

2 آدابِ الفتویٰ للنووی، ص 60

دیدے۔

اسی طرح امام ابن صلاح رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نقل فرماتے ہیں کہ خلیل بن احمد فرماتے تھے کہ ایک آدمی جلد بازی کرتے ہوئے مسئلے کا جواب دیتا ہے اور درست دیتا ہے تو میں اس کی مذمت کرتا ہوں اور ایک آدمی سوچ سمجھ کر جواب دیتا ہے اور غلط دیتا ہے تو میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔

جواب لکھنے میں غور کرنا

جواب لکھتے ہوئے بھی چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک اہم بات تو یہ ہے کہ جب سوال پڑھ لیں تو ایک مرتبہ اسے اپنے ذہن میں زبانی دہرائیں تاکہ سوال کا ہر پہلو ذہن میں تازہ ہو جائے پھر اس کا جواب سوچیں اور ہر مسئلے میں نئے سرے سے غور و فکر کریں نیز کسی بھی مسئلے کو آسان سمجھ کر غور و فکر کرنے میں کوتاہی نہ کریں کیونکہ زیادہ تر غلطیوں کی بنیاد یہی ہوتی ہے۔

بعض علمائے فرمایا ہے کہ آسان مسائل میں بھی اتنا ہی غور و خوض کرے جتنا مشکل مسائل میں کرتا ہے تاکہ غور کرنے کی عادت رہے اور امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ یونہی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سے سنی علما مثلاً مولانا نور اللہ بصیر پوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی سیرت میں بھی یہ لکھا ہوا ہے۔

امام سخون بن سعید مالکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے اور میں اس مسئلے کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ مسئلہ کس کتاب میں، کس ورق

پر، کس صفحے پر اور کس سطر میں لکھا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود میں اس ڈر سے (جلد) جواب نہیں دیتا کہ کہیں میرے بعد کوئی نااہل شخص فتوے دینے کی جرأت نہ کرے۔⁽¹⁾

معین جواب دیا جائے

جواب دینے میں ایک اہم نکتہ یہ یاد رکھیں کہ سائل کو اس کے سوال کا معین جواب دیں۔ بہت ساری شقیں بنا کر نہ دیں اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ سائل اپنی من پسند شق کو اختیار کر لے گا اور بقیہ کو چھوڑ دے گا یا اسے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ نیز اگر مسئلے میں علما کا اختلاف ہو تو سائل کو ایک قول بتائے۔ یہ نہ ہو کہ اسے کہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور یہ دو جواب ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے سائل کو سوائے حیرت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

جواب مجمل نہ ہو

مفتی اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا جواب مجمل اور مبہم نہ ہو جیسے وراثت کا سوال آئے اور سائل کو کہے کہ وراثت ان کے شرعی حصوں کے مطابق دیدیا جائے۔ یہ جواب مبہم ہے کیونکہ سائل کو کیا علم کہ وراثت کا شرعی حصہ کیا بنتا ہے۔

یونہی زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا جائے تو جواب دیا جائے کہ اس میں شرعی مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سائل کو ایسا جواب دیا جائے کہ جو اسے سمجھ آجائے اور وہ جواب وصول کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ حضرت! اس کا مطلب بھی سمجھا دیں۔

مشکل الفاظ استعمال نہ کریں

مفتی کو چاہئے کہ فتوے میں مشکل زبان استعمال نہ کرے بلکہ عام فہم انداز میں آسان الفاظ میں جواب لکھے۔ ایسی اردو استعمال نہ کرے کہ سائل بعد میں عرض کرے کہ حضرت! اس کا ترجمہ بھی لکھ دیں۔

نیز مفتی کو چاہئے کہ اپنی زبان مثلاً اردو میں مہارت حاصل کرے اور اچھی زبان استعمال کرے کیونکہ عمدہ الفاظ پر مشتمل فتویٰ ایک خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

حیا والے الفاظ کا استعمال

مفتی کو چاہئے کہ فتوے میں ایسے شائستہ اور مہذب الفاظ استعمال کرے جن کو کسی مجلس و محفل یا خاندان والوں کے درمیان بیٹھ کر پڑھا جاسکے۔ ایسے سخت الفاظ استعمال نہ کرے کہ کسی جماعت کے درمیان بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہو جائے۔ البتہ جہاں حکم شرعی کا بیان ہی سخت الفاظ کے بیان پر موقوف ہے وہاں بیان کرنے میں ہرگز کوئی حرج نہیں کہ بیان کی جگہ پر حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرنی چاہئے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا
بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (پ 1، البقرہ: 26)

ترجمہ کنز العرفان: بیشک اللہ اس سے حیا نہیں
فرماتا کہ مثال سمجھانے کے لئے کیسی ہی چیز کا
ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر۔

تحریری فتویٰ دینا

فتوے کا مطلب ہے: کسی کے پوچھنے پر اسے مسئلے کا جواب دینا خواہ زبانی ہو یا تحریری۔

تحریری جواب دینا ضروری تو نہیں لیکن بعض اوقات اس کی حاجت ہوتی ہے کہ کسی جگہ کا طریقہ کار ہی یہ ہوتا ہے کہ لکھ کر دیا جاتا ہے یا سائل کو وہ فتویٰ کورٹ یا پنچایت یا خاندان میں دکھانا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں لکھ کر فتویٰ دیا جائے تاکہ سائل کے کام آئے۔

فتویٰ شروع کرنے سے پہلے دعا

فتویٰ شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے درست جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور غلطی سے محفوظ رکھے اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ مستحب ہے کہ شروع میں اعوذ باللہ، بسم اللہ، حمد، درود اور رب اشرح لی صدری والی دعا پڑھے۔ امام مکحول شامی اور امام مالک سے مروی ہے کہ یہ دونوں بزرگ فتویٰ سے پہلے لاجول شریف پڑھا کرتے تھے۔

جہاں سے جواب شروع ہو وہاں نمایاں کر کے جواب یا الجواب لکھ دے اور آخر میں واللہ اعلم، واللہ الموفق، وباللہ التوفیق وغیرہا کے الفاظ لکھے۔

تحریری فتوے میں چند احتیاطیں

جب لکھ کر فتویٰ دیں تو اس میں چند احتیاطیں پیش نظر رکھیں۔

(1) ایک کاغذ پر ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین سوالوں کے جواب دیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک کاغذ پر دس سوالات کے جوابات لکھے ہوئے ہوں۔

(2) جس ترتیب سے سوال ہوں اسی ترتیب سے جواب دیا جائے۔

صاف ستھرے انداز میں فتویٰ لکھنا

فتویٰ صاف ستھرے انداز میں لکھا جائے۔ الفاظ بھی اچھے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ لکھائی بھی خوشخط ہو۔ لائینیں سیدھی اور کشادہ ہوں۔ تنگ تنگ الفاظ یا لائینیں بنا کر نہ لکھیں۔ یونہی لکھنے میں ایک ہی قلم استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کچھ فتویٰ نیلی روشنائی سے اور کچھ سیاہ سے ہو یا کچھ ایک طرح کے قلم سے اور کچھ دوسری قسم کے قلم سے۔ اس طرح کرنے سے فتوے میں کسی شریر کی طرف سے اضافہ کرنے کی گنجائش بڑھ جاتی۔ یونہی اگر کمپیوٹر پر کمپوز کر کے فتویٰ دیتے ہیں تو اس میں فونٹ، سائز، کلر وغیرہ تمام امور کا خیال رکھا جائے۔

تحریری فتویٰ میں ایک احتیاط

فتوے میں اول تا آخر کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑنی چاہئے جہاں کوئی اپنی مرضی سے کوئی لفظ داخل کر سکے۔ اس کی حاجت وہاں زیادہ ہے جہاں ہاتھ سے لکھ کر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ شوافع کے مشہور امام ابو حامد المروزی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس طرح کے ایک مسئلے کی وجہ سے اچھی خاصی آزمائش میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس بارے میں چند احتیاطیں یہ ہیں:

(1) جہاں سوال ختم ہو وہیں متصل الجواب لکھ کر جواب شروع کر دیں تاکہ سوال میں بعد میں کچھ اضافہ نہ ہو سکے۔

(2) بسم اللہ شریف کے بعد متصل سطر سے جواب شروع کر دیں کوئی سطر خالی نہ چھوڑیں۔

(3) جہاں جواب ختم ہو وہیں واللہ اعلم اور اس کے ساتھ نام لکھ دیں تاکہ معلوم ہو جائے

کہ فتویٰ یہاں ختم ہو چکا ہے۔

(4) مہر یادِ ستخطِ فتوے کے آخر میں اس طرح لگائیں کہ مزید اضافے کی گنجائش نہ رہے۔

(5) فتوے کی ایک نقل یا فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں تاکہ بالفرض اگر کوئی شخص شرارت کرے تو بوقتِ ضرورت اپنے ریکارڈ سے نکال کر اصل فتویٰ دکھایا جاسکے۔

(6) مسائل اگر سوال کے ساتھ کچھ ڈاکو منٹس (کاغذات) لائے تو ان کی بھی فوٹو کاپی کروا کر اپنے پاس محفوظ رکھنی چاہیے۔ بعض اوقات فتاویٰ میں کورٹ کچہری تک کی نوبت آجاتی ہے وہاں پر ڈاکو منٹس کی فوٹو کاپی نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔

جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے

مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا جواب سوال کے مطابق ہو۔ نہ تو یہ ہو کہ ایک تفصیل طلب سوال کا جواب نہایت مختصر دیدیا جائے اور نہ ہی یہ ہے کہ عام سے سوال پر ایک تفصیلی جواب دیدیا جائے۔

جواب میں بعض چیزوں کی کمی یا زیادتی کرنا

فتویٰ دینے میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا مناسب ہوتا ہے۔ ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ مثلاً وراثت کا مسئلہ پوچھا گیا تو یہ لکھنا مناسب ہے کہ کفنِ دفن کے اخراجات، قرضوں کی ادائیگی اور بقیہ مال کی ایک تہائی تک وصیت پر عمل کرنے کے بعد کل مال کے اتنے اتنے حصے کئے جائیں گے، یعنی سوال وراثت کا کیا گیا ہے لیکن جواب میں جو چیزیں وراثت کی تقسیم پر مقدم ہیں

ان کا بھی ذکر کر دیا کیونکہ ان کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ جبکہ وراثت کے مسئلے میں ہی اگر یوں جواب دیا گیا کہ ورثا میں اگر کوئی غلام یا قاتل یا کافر ہے تو انہیں وراثت سے خارج کر کے بقیہ ورثا میں یوں وراثت تقسیم کی جائے گی۔ یہاں جواب میں غلام، قاتل اور کافر کا جو مسئلہ بیان کیا گیا یہ مسئلہ فی نفسہ درست ہے لیکن ہمارے عمومی ماحول کے مطابق اس کا بیان کرنا نامناسب ہے۔ بطورِ خاص مسئلہ ہی یہ پوچھا جائے تو ضرور جواب دیا جائے۔

یونہی اگر سوال میں کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو وراثت کا مستحق نہیں تو ورثا کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ محروم وارث کی بھی تصریح کر دے کہ اسے نہیں ملے گا۔

وراثت کے مسائل میں ایک اہم ہدایت

وراثت کے مسائل میں بیٹا بیٹی یا بھائی بہن کے متعلق سوال پوچھا جائے تو یہ جواب نہ دیا جائے کہ دونوں میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کر دیں کیونکہ عام آدمی کو یہ بات بالکل سمجھ نہیں آئے گی بلکہ وضاحت کر کے بتائے کہ مثلاً نو حصے بنتے ہیں جن میں چھ حصے بیٹے کو اور تین حصے بیٹی کو ملیں گے۔ البتہ دلیل کے طور پر آیت لکھنا چاہے تو بہت اچھا ہے۔

جواب کتنا طویل ہو؟

جواب کتنا طویل ہونا چاہیے اس سلسلے میں مختلف بزرگوں کے مختلف انداز ہیں مثلاً بعض بزرگ صرف ہاں یا نہیں یا جائز یا ناجائز کے الفاظ سے جواب دیتے تھے جبکہ بعض علما اکثر و بیشتر مسائل کا جواب نہایت مفصل دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں معتدل راستہ یہ ہے کہ

جواب لکھنے میں مختلف پہلو سامنے رکھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی عالم دین سوال کرنے والا ہے تو صرف دو لفظوں میں جواب نہ دیا جائے بلکہ مفصل دلائل کے ساتھ جواب دیا جائے تاکہ اس کی تسلی ہو جائے جیسے فتاویٰ رضویہ میں سینکڑوں مقامات پر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اور اگر سوال کرنے والا عام آدمی ہے تو اس کو ایک آدھ حوالے کے ساتھ جواب دیدیا جائے کہ اسے دو چار صفحوں پر مشتمل دلائل لکھ کر دینے کا کوئی فائدہ نہیں جیسے فتاویٰ فیض الرسول کا انداز ہے۔

یونہی اگر کوئی معرکہ الآرا مسئلہ ہے تو دلائل کے ساتھ جواب لکھا جائے جیسے فتاویٰ رضویہ میں دو سو کے قریب رسائل اس طرح کے موجود ہیں یا فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ ملک العلماء اور فتاویٰ نوریہ میں بعض مفصل رسائل اور فتاویٰ موجود ہیں اور اگر کوئی عام سامستلہ ہو تو بہت سارے جزئیات جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہذا بلاوجہ جواب کو طویل نہ کرے اور نہ خواہ مخواہ کی منطق فلسفے کا استعمال کر کے مختلف شقیں بنائے اور ہر شق کا جواب دیتا رہے۔

مفتی جواب میں مناسب تنبیہات لکھ دے

مفتی کو چاہئے کہ سائل کی حالت اور سوال کے انداز پر نظر رکھے۔ بعض اوقات قرآن سے سمجھ آتا ہے کہ اس فتوے کا غلط استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مفتی ایسے جملے لکھ دے کہ غلط استعمال کرنے کا احتمال ختم ہو جائے جیسے لکھے کہ یہ جواب سوال میں بیان کردہ صورت پر دیا گیا ہے۔ کسی خاص شخص کے متعلق نہیں ہے۔ اگر اصل صورت حال اس کے مطابق نہ ہوئی تو یہ فتویٰ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

اسی طرح یہ جملہ بھی مناسب ہے: اگر مسائل کا بیان حقیقتِ حال کے مطابق ہے تو شرعی حکم اس معاملے میں یہ ہے۔

ضرورت ہو تو جواب دے بعض لوگوں کو خواہ مخواہ فتویٰ لینے کا شوق ہوتا ہے حالانکہ انہیں اس کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا مفتی کیلئے مناسب ہے کہ جہاں ایسا احتمال دیکھے وہاں معلوم کر لے کہ آپ کو تحریری فتویٰ کی کیا حاجت ہے؟ اگر کوئی معقول وجہ بیان کر سکے تو جواب دے ورنہ تحریری جواب سے منع کر دے۔ یونہی بعض لوگ مَعَاذَ اللہ علما کا امتحان لینے کیلئے سوال کرتے ہیں۔ اگر ایسی صورت ہو تو ہرگز جواب نہ دیا جائے اور ہو سکے تو مسائل کو سمجھا دیں کہ یہ طریقہ کار غلط ہے اور علما کو پریشان کرنے کیلئے مسائل پوچھنا حرام ہے۔

فتویٰ میں قرآن و حدیث کا استعمال

مفتی پر لازم نہیں کہ فتویٰ میں قرآن و حدیث کے دلائل بیان کرے۔ اس کا اصل کام شریعت کے مطابق سوال کا جواب دینا ہے اور مفتی مقلد ہو تو مسائل کے لئے اپنے امام یا اپنی فقہ کی مستند کتاب کا حوالہ دیدینا بھی کافی ہے لیکن ہمارا زمانہ چونکہ کافی بدل چکا ہے۔ اب لوگ حوالے مانگنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو حوالہ دینا ضروری نہ ہونے کے باوجود حتی الامکان فتویٰ لکھنے میں جہاں اختصار کی حاجت نہ ہو وہاں قرآن و حدیث سے ضرور حوالے دیں۔ ہمارے زمانے کے حالات نہایت نازک ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک گمراہ موجود ہے اور گمراہی پھیلانے کی کوشش کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے اور ایسے تمام لوگ قرآن و حدیث ہی کو استعمال کرتے ہیں اس لئے ہمارے زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ مفتی صرف فقہی

کتابوں کے حوالے نہ دے بلکہ قرآن و حدیث سے بھی حوالے دے۔ اور اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس کا جواب واضح طور پر قرآن و حدیث میں موجود ہے وہاں صرف قرآن و حدیث کا حوالہ دیدیں یا کم از کم پہلے قرآن و حدیث کا حوالہ دیں اور بعد میں فقہی کتابوں کا تو بہت بہتر ہے۔

اس طریقہ کار پر عبور حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ
اولاً: تو قرآن پاک کا بغور مطالعہ کریں اور اس میں بطور خاص جو آیات فقہی احکام سے متعلق ہیں انہیں یاد کرے۔

ثانیاً: یہ ہے کہ بہار شریعت میں ہر باب کے شروع میں اس باب سے متعلق آیات و احادیث بیان کی گئی ہیں ان کا اچھی مطالعہ کرے یا ان آیات و احادیث کو امجد الاحادیث نامی کتاب میں جمع کیا گیا ہے اس کتاب کو مطالعہ میں رکھے۔

ثالثاً: ان تفاسیر کا مطالعہ کرے جو فقہی آیات کے بارے میں لکھی گئی ہیں جیسے احکام القرآن للجصاص رازی اور تفسیرات احمدیہ۔

رابعاً: یہ کریں کہ مختلف تفاسیر مثلاً نور العرفان اور خزائن العرفان وغیرہ کے آخر میں دی گئی اس طرح کی فہرستوں کا مطالعہ کریں۔ پانچواں کام یہ کریں کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کو اپنا معمول بنالیں۔ اس سے قرآن کا فہم، قرآن کا علم اور قرآن کی برکت و روحانیت سب کچھ حاصل ہوگا۔

حدیث میں مہارت کیلئے کم از کم صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف اور ان کتابوں کی حنفی

شروحات کا مطالعہ کریں، نیز مصنف ابنِ ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق بھی فقہ حنفی کے بڑے ماخذ ہیں۔

فقہی کتابوں میں متقدمین و متاخرین کی مشہور کتابوں مثلاً ہدایہ، مبسوط، بدائع الصنائع، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامی، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت کا مطالعہ کرتے رہیں۔ یہاں ہم قرآن و حدیث سے مزین فتویٰ کی ایک مثال بیان کرتے ہیں تاکہ ایک مثال پیش نظر رہے:

فتاویٰ رضویہ سے مثال

امام اہلسنت فرماتے ہیں: حضرت حق جل و علانے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نفس الامر میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطہ قدرت سے ورا۔

قال الله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ﴿﴾ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رُو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرجِ عظیم اور حرجِ مدفوع بالنص۔

قال تعالیٰ:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط
ترجمہ کنز العرفان: تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ (پ 17، ا ج: 78)

اور فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (پ2، البقرہ: 185)

ترجمہ کنز العرفان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اے عزیز! یہ دین بجز اللہ آسانی و سہولت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لئے ہمیشہ رفیق و نرملی ہے اور جو تعمق و تشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لئے سخت ہو تا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ان الدین یسرولن یشاد الدین احد الاغلبہ فسدوا وقاربوا وابشروا۔ اخرجه البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ: بے شک دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر وہ اس پر غالب آجائے گا پس ٹھیک ٹھیک چلو، قریب ہو جاؤ اور خوشخبری دو۔

اور ایک روایت میں ہے: الدین یسرولن یغالب الدین احد الاغلبہ۔

ترجمہ: دین آسان ہے اور کوئی شخص دین پر غالب آنے کی کوشش نہیں کرتا مگر وہ (دین) اس پر غالب آجاتا ہے۔

واخرج احمد والنسائی وابن ماجہ والحاکم باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ایاکم والغلو فی

الدين فاما هلك من كان قبلكم بالغلوفى الدين-

امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سے انہوں نے نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے روایت کیا: دین میں زیادتی کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

واخرج احمد برجال الصحيح والبيهقي في الشعب وابن سعد في الطبقات عن ابن الادرع رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: انكم لن تدرکوا هذا الامر بالمغالبة۔ امام احمد نے صحیح روایوں کے ساتھ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابن الادرع رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم اس دین کو مغالبہ کے ساتھ ہرگز نہیں پاسکتے۔ (یعنی جو حکم ملے اس پر عمل کرو خود مباح امور کو واجب قرار نہ دو)

واخرج احمد في المسند والبخارى في الادب المفرد والطبراني في الكبير بسند حسن عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: احب الدين الى الله الحنيفية السمحة۔ امام احمد نے اپنی مسند میں امام بخاری نے الادب المفرد میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین کامل و البسگی اور نرمی اختیار کرنا ہے۔

واخرج ايضا هؤلا فيها بسند جيد عن محجن بن ادرع الاسلمى والطبراني

ایضا فی الکبیر عن عمران بن حسین وفی الاوسط وابن عدی والضیا وابن عبد البر فی العلم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: خیر دینکم ایسرہ۔

نیز انہوں نے اپنی کتب میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت محجن بن ادرع اسلمی سے اور طبرانی نے کبیر میں عمران بن حصین سے اور اوسط میں نیز ابن عدی، ضیا اور ابن عبد البر نے علم کے بیان میں حضرت انس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تمہارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔

واخرج ابوالقاسم بن بشران فی امالیہ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ایاکم والتعمق فی الدین فان اللہ قد جعلہ سهلا۔ الحدیث۔

ابوالقاسم بن بشران نے اپنی امالی میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے انہوں نے نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: دین کی گہرائی (بارکیوں) میں جانے سے پرہیز کرو اللہ تعالیٰ نے اسے آسان بنایا ہے۔ الحدیث

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال و طیب ہو اور اُسے مانع و نجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہذا جب تک خاص اس شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظہر قویہ حذر و ممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش و تحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل و طہارت پر عمل کرے اور ممکن و یحتمل و شاید

ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقة: لاحرمة الامع العلم لان الاصل الحل ولا يلزمه السؤال عن شیء حتى يطلع على حرمة ويتحقق بها فيحرم عليه ح اه ملخصاً وفيها عن جامع الفتاوى لا يلزم السؤال عن طهارة الحوض ما لم يغلب على ظنه نجاسته وبمجرد الظن لا يمنع من التوضی لان الاصل فی الاشیا الطهارة اه۔

حدیقہ میں ہے علم کے بغیر حرمت نہیں کیونکہ اصل حلت ہے اور انسان پر لازم نہیں کہ وہ کسی چیز کے بارے میں سوال کرے حتیٰ کہ اس کی حرمت پر مطلع ہو جائے اور یوں وہ اس کی تحقیق کر کے اب اپنے اوپر حرام کر لے، حدیقہ ملخصاً اور اسی میں جامع الفتاویٰ سے منقول ہے جب تک اس کو نجاست کا غالب گمان نہ ہو جائے حوض کی طہارت کے بارے میں سوال نہ کرے اور محض گمان کی بنیاد پر وضو کرنے سے نہ رُکے کیونکہ اشیا میں اصل طہارت ہے۔

بلکہ خود سید المرسلین صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے مروی جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی مسلمان کے یہاں جائے اور وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے تو کھالے اور کچھ نہ پوچھے اور اپنے پینے کی چیز سے پلائے تو پی لے اور کچھ دریافت نہ کرے۔⁽¹⁾

فتویٰ میں مشاورت کرنا

فتویٰ لکھنے کے بعد سائل کو دینے سے پہلے بہتر ہے کہ کسی دوسرے صاحبِ علم کو

1 فتاویٰ رضویہ، الاحلی بن السکر، 4 / 512 تا 514

چیک کر والیا جائے اگرچہ وہ شاگرد ہوں یا علم میں کم تر ہوں کیونکہ بعض اوقات شاگرد یا کم علم والے کا ذہن ایسے نکتے تک پہنچ جاتا ہے جہاں بڑے کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایسی صورت میں مشورہ لینا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اولین و آخرین میں سب سے زیادہ علم والے ہونے کے باوجود امت کی تربیت کیلئے بہت سے دینی امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ یونہی اکابر صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَانُ مجتہد ہونے کے باوجود دیگر صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے۔

البتہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی دوسرے پر ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے یا جائز نہیں ہوتا یا کسی کاراز کھلتا ہے یا مشورہ کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں مشاورت نہ کی جائے۔

پروف ریڈنگ

فتویٰ تحریر کرنے کے بعد پروف ریڈنگ کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ لکھتے وقت غلطیاں باقی رہ جانا ایک عام مسئلہ ہے اور خصوصاً جو لوگ فتویٰ کمپوز کرتے ہیں ان کیلئے تو پروف کی پروف ریڈنگ کرنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ کمپیوٹر میں غلطیوں کا امکان بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پروف ریڈنگ تین اعتبار سے ہونی چاہیے:

- (1) شرعی اعتبار سے کہ جائز کی جگہ ناجائز یا اس کے الٹ تو نہیں لکھ دیا گیا۔
- (2) لفظی اعتبار سے کہ کہیں کسی لفظ کا کوئی حرف غلط یا آگے پیچھے تو نہیں لکھا گیا۔
- (3) ادب کے اعتبار سے کہ اردو ادب کے اعتبار سے یہ جملہ درست ہے یا نہیں؟ یہ لفظ زائد

تو نہیں؟ یا اس لفظ کی جگہ فلاں لفظ کا استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے وغیرہا۔
یوں اگر 13 اعتبار سے 3 مرتبہ پروف ریڈنگ کریں گے تو غلطیاں کم سے کم ہوں گی۔

فتوے کے آخر میں نام لکھنا

فتویٰ کے آخر میں اپنا نام لکھے کیونکہ آج تک علما کا یہی طریقہ چلتا آرہا ہے اور لوگوں کیلئے باعثِ اطمینان بھی یہی ہے کیونکہ بہت سارے علما ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نام ہی سند ہوتا ہے اور بہت سے علما کے نام پر ہی لوگ فتویٰ قبول کرتے ہیں۔ اگر نام نہ ہو گا تو کیا معلوم کہ فتویٰ کس نے لکھا؟ اور لکھنے والے کی علمی حیثیت کیا ہے؟ نیز بالفرض اس فتوے کے خلاف کسی نے فتویٰ دیا یا فتویٰ میں کوئی خطا ظاہر ہوئی تو اس متعلقہ مفتی سے رابطہ کیا جاسکتا ہے اور غلط فتوے سے رجوع کرنا جو فرض ہے اس حکم شرعی پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی فتویٰ پر نام ہی نہ ہو گا تو رجوع کس سے کروائیں گے نیز نام ہونے کی وجہ سے جب مفتی سے رجوع کیا جائے گا تو اسے اپنی غلطی کا بھی علم ہو گا اور آئندہ اس مسئلے کا درست جواب دے گا ورنہ جب غلطی کا علم ہی نہ ہو گا تو آئندہ بھی وہی غلط جواب جاری ہوتا رہے گا۔⁽¹⁾

رسم المفتی کے چند اہم اصول

جو شخص کسی حکم شرعی پر عمل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر عمل کرے جسے اکابر علما نے راجح قرار دیا ہو یا وہی کسی دوسرے کو فتویٰ دینا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر فتویٰ دے جسے اکابر علما نے راجح قرار دیا ہو لہذا کسی ضعیف اور مرجوح قول پر

عمل کرنا یا فتویٰ دینا ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ البتہ چند ایک صورتیں ایسی ہیں جن میں ضعیف اور مرجوح قول پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے آئندہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس حکم پر فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے بڑے بڑے علما کا اتفاق ہے۔ لہذا اس مسئلے کے برخلاف عمل کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ دلائل کی روشنی میں جب ایک قول کو علمائے مضبوط اور راجح قرار دیدیا ہو تو اس کے برخلاف قول پر عمل کرنا حقیقتاً اپنی خواہش نفسانی پر عمل کرنا ہے اور شرعی احکام میں شریعت کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ناجائز و حرام ہے۔ راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول ایسے ہے جیسے وہ ہے ہی نہیں۔

فتویٰ کن کتابوں سے نہ دیں؟

جب یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ راجح قول پر ہی عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی اجازت ہے تو اب یہ جاننا بھی ضروری ہو گیا کہ وہ کون سی کتابیں ہیں جن میں راجح اقوال لکھے ہوئے ہیں تاکہ کتابوں کے حوالے سے غلطی نہ ہو۔ اس بارے میں یہ احتیاط پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ صرف ایک آدھ کتاب کو دیکھ کر کبھی بھی فتویٰ نہ دیا جائے کیونکہ کئی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن میں نہایت اختصار ہونے کی وجہ سے ان سے مکمل استفادہ مشکل ہے بلکہ ان کی شروحات دیکھنے کی حاجت ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان کتابوں میں ائمہ دین کے اقوال نقل کرنے میں غلطی ہوتی ہے اور کبھی خود ان میں ضعیف اقوال لکھے ہوتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب فقہ حنفی کی ہوتی ہے اور مسئلہ فقہ شافعی وغیرہ کا لکھا ہوتا ہے لہذا ان کتابوں کے مسائل کی تصدیق جب تک دوسری کتابوں سے نہ

ہو جائے نیز ان کی شروحات کو نہ دیکھ لیا جائے تب تک ان سے فتویٰ نہ دیا جائے۔
ایسی کتابوں میں شرح النقایہ للققہستانی، درمختار، الاشباہ والنظائر، السراج الوہاج، کنز
العباد، فتاویٰ صوفیہ، قنیہ، رحمانیہ، خزانہ الروایات، مجمع البرکات اور صاحب مجمع البرکات کی
برہان، مجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم اور شرح مسکین وغیرہ۔ جبکہ فتاویٰ طوری اور
فتاویٰ ابن نجیم تو قابل اعتبار ہی نہیں۔

ہر مسئلے میں اس کے اصل ماخذ کو دیکھیں

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ دس، بیس کتابوں میں منقول ہوتا ہے اور ان
سب نے کسی ایک ہی کتاب سے وہ قول لیا ہوتا ہے جبکہ اس اصل کتاب میں وہ قول غلطی
سے لکھا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ خطا مسلسل ہوتی چلی آتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ
جب ایک مسئلے کو کسی کتاب میں دیکھیں تو صرف اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کتاب میں
مزید جس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے اسے بھی دیکھیں اور اگر اس کتاب والے نے بھی
آگے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہو تو اس اگلی کتاب کو بھی دیکھیں تاکہ غلطی کا امکان ختم ہو
جائے جیسے ایک مسئلہ فتاویٰ شامی میں فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہوا ہے تو اب
صرف فتاویٰ شامی پر اکتفا نہ کریں بلکہ فتاویٰ عالمگیری کو بھی دیکھیں۔ اب فتاویٰ عالمگیری
میں وہ مسئلہ مبسوط یا ہدایہ کے حوالے سے مذکور ہے تو ان کتابوں کی طرف بھی رجوع کریں۔
یوں آخری ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے غلطی کا امکان نہایت کم ہو جائے گا۔

علمائے اس طرح کی غلطیوں کی کئی مثالیں تحریر کی ہیں کہ کس طرح ایک مسئلہ غلط

نقل ہوتا ہوا کہاں تک پہنچ گیا۔ اس کی ایک مثال ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ،
 علامہ شامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: اصل مذہب میں طاعات پر اجارہ باطل تھا جیسا کہ
 ائمہ ثلاثہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ اجمعین) سے اس پر اتفاق منقول
 ہے لیکن بعد میں آنے والے مجتہدین میں سے اصحابِ ترجیح و تخریج نے بعض طاعات پر
 اجارہ کے جواز کا قول کیا جیسا کہ تعلیم قرآن، امامت اور مؤذنی پر اجارہ کیونکہ پہلے دور میں
 ان منصبوں کی خدمت کرنے والوں کیلئے بیت المال سے وظائف مقرر تھے جو انکی
 ضروریاتِ زندگی کیلئے کافی ہوتے تھے لیکن بعد کے دور میں جب بیت المال نہ رہے یا جو
 رہے ان سے اصل مستحقین کے وظائف روک دئے گئے تو ان مناصب کے اہل اشخاص
 اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کیلئے تجارت وغیرہ کرنے لگے جس کی وجہ سے ان
 مناصب کی وجہ سے ہونے والا دینی فائدہ ضائع ہونے لگا تو پھر علمائے ان پر اجارہ کے جواز کا
 قول کیا اور ان علما کا یہ قول ائمہ ثلاثہ کے قول کے مخالف نہیں بلکہ اگر ائمہ ثلاثہ بھی اس
 زمانہ میں ہوتے اور اس صورت حال کو ملاحظہ کرتے تو وہ بھی یہی فتویٰ دیتے۔

مگر بعد میں آنے والے بعض مصنفین مثلاً صاحب سراج الوہاج وغیرہ نے اصحابِ
 ترجیح و تخریج کے اس قول کو دیکھتے ہوئے یہ قول کیا کہ تلاوت قرآن پر بھی اجارہ درست
 ہے اور اسے مفتی بہ قول قرار دیا حالانکہ معاملہ ان پر الٹ گیا کیونکہ مفتی بہ تو تعلیم قرآن پر
 اجارہ کے جواز کا قول ہے نہ کہ تلاوت قرآن پر۔ پھر انکی دیکھا دیکھی بعد میں آنے والے
 بہت سے مصنفین نے اسی قول کی پیروی کی اور اسی قول کو اپنی کتب میں نقل کیا جبکہ یہ

صریح خطا تھی۔

بلکہ انکے بعد آنے والے بعض مصنفین ان سے دوہاتھ اور آگے بڑھ گئے اور مطلقاً طاعات پر اجارہ کے جواز کا قول کیا اور اسکو مفتی بہ بھی قرار دیا۔

اور بعض چارہاتھ آگے بڑھ گئے اور انہوں نے مطلقاً سے متاخرین کا مذہب قرار دیا اور ان میں سے بعض نے اس پر تفریح بٹھاتے ہوئے حج پر اجارہ کے جواز کا قول کیا اور یہ تمام اقوال زبردست خطا ہیں اور ہر ایک اپنے سے پہلے والے سے بڑھ کر غلطی پر ہے۔

حالانکہ متون، شروح اور فتاویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذکورہ طاعات (تعلیم قرآن، امامتِ نماز وغیرہ) کے علاوہ دیگر تمام طاعات پر اجارہ باطل ہے اور جن طاعات میں جوازِ اجارہ کا قول کیا تو اسکی وجہ ضرورت ہے کیونکہ اگر مذکورہ کاموں میں جوازِ اجارہ کا قول نہ کیا جاتا تو دین کا ضائع ہونا لازم آتا۔

اور فقہانے ان مسائل کو جہاں ذکر کیا وہاں اسکی علت بھی صراحتہ بیان کر دی تو پھر یہ کہنا کیونکر ممکن ہو گا کہ صرف تلاوتِ قرآن پر اجارہ کا جواز متاخرین کا مذہب ہے حالانکہ تلاوتِ قرآن پر اجارہ میں مذکورہ علت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر ایک زمانہ گزر جائے اور کوئی بھی کسی سے تلاوتِ قرآن پر اجارہ نہ کرے تو اس وجہ سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا بلکہ نقصان تو اس پر اجارہ کرنے کی صورت میں لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح قرآن ذریعہ معاش اور ایک تجارتی پیشہ ہو کر رہ جائیگا کیونکہ ایسی صورت میں کوئی بھی قاری محض رضائے الہی کے حصول کیلئے تلاوت نہ کرے گا بلکہ صرف حصولِ اجرت کی وجہ سے

تلاوت کرے گا اور خالص ریا اسی کا نام ہے کیونکہ ریاکاری میں بھی عمل غیر اللہ کیلئے کیا جاتا ہے تو اس صورت میں قاری کو وہ ثواب کہاں سے حاصل ہو گا جسے مستاجر اپنے مردے کو پہنچانا چاہتا ہے۔

امام قاضی خان نے فرمایا: ذکر کے عوض اجرت لینا استحقاقِ ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اسی کی مثل فتح القدير میں مؤذن کے اجرت لینے والے مسئلہ میں ہے۔

اگر مستاجر کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھوانے میں کوئی ثواب نہیں تو یہ ایک کوڑی بھی اس پڑھنے والے کو نہ دے تو ایسے قراذکر اور قرآن کے وسیلہ سے حرام مال جمع کرتے ہیں حالانکہ لوگ اسے قرب کا ایک عظیم ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اور یہ ایک سب سے بڑی برائی ہے جو تلاوتِ قرآن پر اجارہ کے جواز کے قول کی وجہ سے رونما ہوئی اور اس کے علاوہ دیگر برائیاں تو بے شمار ہیں۔ مثلاً یتیموں کا مال کھانا انکے گھروں میں انکے چٹائیوں پر بیٹھنا، شور کی وجہ سے سونے والوں کی نیندیں حرام کرنا، طلبے بجانا، نوحہ وغیرہ گانا، مردوں عورتوں کا اختلاط اور اسکے علاوہ دیگر برائیاں جن کو میں نے اپنے رسالے (شفاء العلیل وبل الغلیل فی بطلان الوصیة بالختمات والتھالید) میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔⁽¹⁾

مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کرنے کی بنیادی وجہ

فتویٰ دینے والے سے عام طور پر غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ معلومات کی کمی اور

1 شرح عقود رسم المفتی، ص 53 تا 58

مسائل پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے مفتی ایک آدھ کتاب میں مسئلہ دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ یہی ہمارے امام کا مذہب ہے اور یہ سمجھ کر وہ اس کے مطابق فتویٰ دیدیتا ہے اور عام طور پر ایسے علما کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم نے متاخرین علما کے قول پر جو فتویٰ دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان متاخرین علما نے پہلے علما کی کتابیں پڑھ کر ہی لکھا ہے۔

ان علما کی یہ بات حقیقت کے قریب تو ہے لیکن سو فیصد درست نہیں کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں متقدمین کی کتابوں کے برخلاف لکھا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر علامہ شامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے حوالے سے تحریر کیا ہے بلکہ ہمارے زمانے میں تو یہ معاملہ زیادہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے کیونکہ آج کل کمپوزنگ کی غلطیوں اور پروف ریڈنگ میں سستی کی وجہ سے جائز کی جگہ ناجائز اور ناجائز کی جگہ جائز لکھا جانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، لہذا آج کل تو ایک آدھ کتاب پر اعتماد کر کے فتویٰ دینا نہایت خطرناک ہے۔ ضروری ہے کہ اصل ماخذ اور متعدد کتابوں سے مسئلے کا مطالعہ کیا جائے۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک کتاب میں ایک مسئلہ لکھا ہوتا ہے اور اس میں نہ کتابت میں غلطی ہے اور نہ نقل میں بلکہ اس کے ساتھ وہو الصحيح، وهو الاصح، علیہ الفتویٰ کے الفاظ بھی لکھے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس قول پر فتویٰ دینا درست نہیں ہوتا ہے کہ کسی دوسرے امام ترجیح نے دوسرے قول پر فتویٰ دیا ہوتا ہے یا حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے مسئلہ بدل چکا ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ،

علامہ شامی فرماتے ہیں:

لَا يَسْتَبْدِلُ الْعَامِرَ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ (قَوْلُهُ: إِلَّا فِي أَرْبَعٍ) -- الرَّابِعَةُ: أَنْ يَرْعَبَ
 إِنْسَانٌ فِيهِ بَدَلٌ أَكْثَرَ غَلَّةً، وَأَحْسَنَ صُفْعًا فَيَجُوزُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ
 الْفَتْوَى كَمَا فِي فَتَاوَى قَارِي الْهُدَايَةِ قَالَ صَاحِبُ النَّهْرِ فِي كِتَابِهِ إِجَابَةَ السَّائِلِ قَوْلُ
 قَارِي الْهُدَايَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ مُعَارِضٌ مِمَّا قَالَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، نَحْنُ
 لَا نُفْتِي بِهِ وَقَدْ شَاهَدْنَا فِي الْإِسْتِبْدَالِ مَا لَا يَعْدُ وَيُحْصَى: فَإِنَّ ظَلَمَةَ الْقَضَاةِ جَعَلُوهُ
 حِيلَةً لِإِبْطَالِ أَوْقَافِ الْمُسْلِمِينَ-

آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں صرف چار مقامات کے، جن میں ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی وقف کی قابل استعمال و مفید زمین لے کر زیادہ نفع والی زمین دینا چاہتا ہے تو امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ قاری الہدایہ میں ہے اور عمل امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور یہ قول صدر الشریعہ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتویٰ نہیں دیتے کیونکہ ہم نے تبدیلی وقف کے معاملہ میں بے شمار مفاسد کا مشاہدہ کیا ہے کیونکہ ظالم قاضی امام ابو یوسف کے قول کو حیلہ بناتے ہوئے مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرتے ہیں۔ یعنی وقف کی آباد زمین کو اچھی زمین کے بدلے میں دیدینے کا فتویٰ موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے زمانے میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے کیونکہ اس میں بہت زیادہ مفاسد ہیں۔⁽¹⁾

اسی سلسلے میں امام اہلسنت امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ الرحمن کا ایک فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ،

آپ فرماتے ہیں: اجماعِ متون جن کی عظمتِ مکان ابھی سُن چکے پھر اُن کا اطباق و اتفاق کیسا ہو گا و لہذا بارہا دیکھا ہے کہ علمائے شروح و فتاویٰ کی بعض صریح تصحیحات صرف اس بنا پر رد کر دی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں۔

در مختار کی کتاب القسمة میں ہے: قال في الخانية وعليه الفتوى لكن المتنون على الاول فعلية المعول۔ خانہ میں فرمایا کہ فتویٰ اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہو گا۔

دیکھو امام اجل قاضی خاں سامرنج (ترجیح دینے والا) اور علیہ الفتویٰ سالفِ ترجیح جسے علماء اُکد الفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں، بایں ہمہ کہا گیا کہ متون اوّل پر ہیں تو وہی معتمد ہے، امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایت نکاح ماں کو ہے۔ قہستانی شرح مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں، اور یہی ایک روایت امام سے ہے، پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا: وعلیہ الفتویٰ (اور اس پر فتویٰ ہے) مگر محققین نے نہ مانا کہ خلاف متون ہے۔

بحر الرائق ونہر الفائق دونوں میں فرمایا: ما قیل من ان الفتویٰ علی الثانی غریب لمخالفتہ المتنون الموضوعۃ لیبیان الفتویٰ اھ۔ جو کہا جاتا ہے کہ فتویٰ ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتویٰ کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اھ۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا، کنوئیں سے نجاست نکلے اور وقت وقوع نہ معلوم ہو تو امام ایک یا تین دن سے تنجس مانتے ہیں اور صاحبین فی الحال۔ (امام صاحب فرماتے ہیں کہ کنواں ایک یا تین دن سے ناپاک مانا جائے گا جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب نجاست نظر آئی تب سے ناپاک مانیں گے۔) صاحب محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں دربارہ وضو غسل و عجن قول امام اور ان کے ماورائے قول صاحبین اختیار کرتے اور وہ امام زلیعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں اسی تفصیل کو هو الصحیح (بہی صحیح ہے۔) کہتے ہیں اور اسی پر بحر الرائق و منح الغفار و تنویر الابصار و در مختار میں جزم کیا، بایں ہمہ علامہ شامی رد کرتے اور عدم تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ مخالف لاطلاق المتون قاطبہ (یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔)

حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلے کی نسبت جس میں روایت ابی یوسف کو حاوی قدسی میں علیہ الفتویٰ اشباہ میں المصحح المعتمد کہا۔
فرماتے ہیں:

مجرد دعویٰ الحاوی ان الفتویٰ علیہ لایقتضیٰ انہ المصحح المعتمد فی المذہب کیف واصحاب المتون قاطبہ والشروح ماشون علی قولہما (یعنی الطرفین) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المتون والشروح مقدم علی مافی الفتاویٰ۔

حاوی کا صرف یہ دعویٰ کر دینا کہ اسی پر فتویٰ ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ

یہی تصحیح شدہ اور قابلِ اعتماد ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تمام متون اور شروح طرفین کے قول پر ہیں، اور تمام متون اس تصحیح کا التزام کیے ہوئے ہیں کہ متون و شروح کے مسائل فتاویٰ کے مسائل پر مقدم ہیں۔⁽¹⁾

اس طرح کی ایک صورت کو اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے قولِ صوری اور قولِ ضروری کی تقسیم کر کے بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: وباللہ التوفیق، قول دو قسم کے ہیں، صوری اور ضروری۔ تو (1) صوری وہ منقول قول ہے اور (2) ضروری وہ ہے جو کسی قائل کا قول نہ ہو خاص طور پر لیکن وہ قول ضمناً آگیا ہو اور ضرورتاً اس کا حکم کیا گیا ہو، یعنی اگر اس خصوص میں وہ کلام کرتا تو یہ کلام کرتا اور بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں ضروری غالب ہوتا ہے اور اگر اس صورت میں کوئی صوری کو اختیار کرے تو قائل کی مخالفت قرار پاتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ضروری کی طرف آنا، اس کی موافقت اور اتباع کہلاتا ہے، مثلاً زید ایک نیک شخص ہے تو عمر نے اپنے خادم کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور صراحت کے ساتھ کھلم کھلا دیا اور باصرار و تکرار دیا اور وہ یہ پہلے کہہ چکا تھا کہ تم کسی فاسق کی تعظیم کبھی نہ کرنا، اب ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد زید فاسق ہو گیا، اب اگر اس شخص کے خادم پہلے نص کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں تو گناہگار ہوں گے اور نہ کریں تو فرمانبردار ہوں گے اور اس قسم کی چیزیں اقوالِ ائمہ میں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

(1) ضرورت (2) حرج (3) عرف

(4) تعامل (5) اہم مصلحت (6) فساد

اور یہ اسلئے ہے کہ ضرورتوں کا استثنا حرج کا دفع کرنا اور مصالح دینیہ کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور ائمہ یا تو ان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص موجود ہو اور پھر یہ مغیرات پائے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ اگر یہ امور حضور امام اعظم رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول ان کے مقتضاء پر ہوتا نہ کہ ان کے خلاف، تو ایسی صورت میں ان کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو یہ آپ ہی کے قول پر عمل ہے، نہ یہ کہ آپ کے منقول قول پر جمود ہے، اور عقود میں اس قسم کے بہت سے مسائل گنائے ہیں اور بہت سے مسائل کیلئے اشباہ کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان تمام کے احکام زمانہ کے تغیرات کی وجہ سے بدل گئے ہیں یا تو ضرورت کی وجہ سے یا عرف کی وجہ سے اور یا احوال کے قرائن کے باعث اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز مذہب سے خارج نہیں کیونکہ اگر صاحب مذہب خود اس زمانے میں ہوتے تو یہی قول کرتے اور اگر یہ تغیر آپ کے زمانے میں واقع ہوتا تو وہ اس کے خلاف تصریح نہ کرتے، اسی نے مجتہدین فی المذہب کو جرأت دی ہے اور متاخرین صائب الرائے نے ظاہر مذہب کی کتب سے ثابت شدہ مذہب کی جو مخالفت کی ہے وہ اپنے

زمانے کے اعتبار سے ہے، جیسے کہ خود انہوں نے اس کی تصریح کی ہے۔⁽¹⁾

فتویٰ نویسی کا اہم اصول

فقہ حنفی کا ایک اہم اصول یہ ہے جس پر احناف کے تمام علما کا اتفاق ہے کہ فتویٰ ان مسائل کے مطابق دیا جائے گا جنہیں ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ فقہ حنفی کے ائمہ ترجیح کہلانے والے مجتہدین کسی دوسرے قول پر فتویٰ دیں تو پھر ان کے مطابق ہی فتویٰ دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا کلام کا مطلب سمجھنے کیلئے ذیل میں دی گئی گفتگو نہایت مفید ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام مسائل کی پہلی قسم:

پہلی قسم کو مسائل الاصول اور ظاہر الروایۃ کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم سے مروی ہیں اور امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی ان چھ کتابوں میں مذکور ہیں۔ (1) مبسوط (2) زیادات (3) جامع صغیر (4) جامع کبیر (5) سیر صغیر (6) سیر کبیر۔ ان کتابوں کو ظاہر الروایۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتابیں امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے متواتر سند یا مشہور سند کے ساتھ مروی ہیں۔

مسائل کی دوسری قسم:

دوسری قسم کو مسائل النوادر اور نادر الروایۃ کہتے ہیں۔ اس میں متعدد قسم کے مسائل

داخل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(1) وہ مسائل جو امام محمد کی اوپر ذکر کردہ چھ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں

جیسے یہ کتابیں: (ا) کیسانیات (ب) ہارونیات (ج) جرجانیات (د) رقیات۔

(2) امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے علاوہ امام اعظم ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے دیگر شاگردوں کی

کتابوں میں ذکر کردہ مسائل جیسے امام حسن بن زیاد کی کتاب المجرود، امام ابو یوسف کے

لکھوائے ہوئے مسائل پر مشتمل کتاب الامالی وغیرہ۔

(3) امام اعظم ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے دیگر شاگردوں کی وہ روایتیں جو تنہا انہوں نے بیان کی

ہیں جیسے ابن سماعۃ اور معلى بن منصور کی روایات۔

مسائل کی تیسری قسم:

تیسری قسم کو فتاویٰ اور واقعات کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں ائمہ

متقدمین کی طرف سے کوئی جواب منقول نہیں ہے اور بعد میں آنے والے مجتہدین نے

اپنے اجتہاد سے ان مسائل کا جواب دیا۔ اس طرح کے مسائل کی تعداد بہت زیادہ ہے

کیونکہ ہر زمانے میں نت نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی

کتاب مشہور فقیہ امام ابو الیث سمرقندی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے تصنیف فرمائی جس کا نام کتاب

النوازل ہے۔ اس کے بعد امام ناطفی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے مجموع النوازل والواقعات اور امام

الصدر الشہید نے الواقعات تحریر فرمائی۔ اس کے بعد آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

متاخرین علما میں سے بعض نے ان تینوں قسموں کے مسائل کو متفرق طور پر اپنی

کتاب میں جمع کیا جیسے امام قاضی خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی کتاب فتاویٰ قاضی خان حَسَنِ خانہ بھی کہا جاتا ہے اور بعض علما نے ان تینوں قسموں کے مسائل کو ترتیب وار (پہلے ظاہر الروایہ پھر نوادر الروایہ پھر فتاویٰ واقعات) اپنی کتاب میں ذکر کیا ذکر کیا جیسے محیط رضوی جسے محیط سرخسی بھی کہا جاتا ہے۔

امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی کتابوں کی ترتیب

امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کی ترتیب یہ ہے۔ سب سے پہلے سے مبسوط، پھر جامع صغیر، پھر جامع کبیر، پھر زیادات، پھر سیر صغیر، پھر سیر کبیر۔ اس ترتیب کے پیش نظر فقہ حنفی کے مفتی کیلئے یہ ہدایت ہے کہ اگر کسی جگہ امام محمد کی مذکورہ بالا کتابوں میں بیان کردہ مسائل میں آپس میں تعارض ہو تو جو کتاب بعد میں لکھی گئی ہے اس کے مطابق جواب دے۔

امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی کتابوں سے استفادہ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ امام حامد شہید رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی کتاب الکافی کا مطالعہ کرے کیونکہ اس کتاب میں امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی ظاہر الروایہ کی چھ کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور مزید شرح و بسط کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہے تو کتاب الکافی کی شرح مبسوط کا مطالعہ کرے جو شمس الائمہ امام محمد بن محمد بن ابوسہیل سرخسی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے تصنیف فرمائی ہے۔

فقہ حنفی میں مبسوط کے نام پر متعدد کتابیں ہیں چنانچہ امام یوسف، امام محمد، امام جرجانی، امام خواہر زادہ، شمس الائمہ حلوانی، امام ابولیسر بزدوی، امام علی بزدوی، امام ناصر

الدرین سمرقندی، فقیہ ابو الیث سمرقندی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ میں سے ہر بزرگ نے مبسوط کے نام پر کتاب تصنیف فرمائی مگر فقہ حنفی میں جب بھی صرف مبسوط کہا جائے گا تو اس سے مبسوط سرخسی مراد ہوگی۔

اگر کسی مسئلے میں مجتہد سے دو قول مروی ہوں

اگر کسی مسئلے میں امام مجتہد سے دو قول مروی ہوں تو سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کہیں مجتہد نے ایک قول سے رجوع تو نہیں کر لیا تھا۔ اگر رجوع ثابت ہو جائے تو جس قول کو مجتہد نے اختیار کیا اسی کو لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملے تو بعد میں آنے والا مجتہد اپنا اجتہاد کرے گا اور دونوں اقوال میں سے جس قول کو اپنے نزدیک دلائل کی روشنی میں قوی سمجھے گا اس پر عمل کرے گا اور اگر کوئی صورت دلائل کی روشنی میں راجح نہ ہو سکے تو غور و فکر کرے اور جس طرف دل مائل ہو اس پر عمل کرے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم عوام یا آج کل کے علما کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ مجتہدین کیلئے ہے جبکہ آج کل کی عوام کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اس مفتی کے فتوے پر عمل کریں جو علم اور تقویٰ میں دوسروں سے بڑھ کر ہو اور جو فقہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہے وہ متاخرین علما کی پیروی کرے اور جو اس کے نزدیک زیادہ درست اور زیادہ محتاط صورت ہو اس پر عمل کرے۔^(۱)

اسی مسئلے کو سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ایک جگہ یوں بیان فرماتے ہیں: (علما) مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ و اورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما

قدمناہ عن المحيط و الہندیہ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے)۔

سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے: اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقہما بعد ان یکون اورعہما۔ ترجمہ: جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں کا اختلاف ہو تو ان میں افتحہ پر ہیزگار کے قول کو اختیار کرے اور اگر تفتہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے: فان مظنۃ الاصابۃ فیہا اکثر عند من لایعلم وهو اعذر لہ عند ربہ عزوجل۔ ترجمہ: کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عند اللہ بڑا عذر ہے اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولیٰ ہے ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔

معین الحکام میں ہے: ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاہل بالعلم اذا استفتی فقیہا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولا یسعہ ان یتعدی الی غیرہ، وان کان فی المصر فقیہان کلاہما رضا یاخذ عنہما، فان اختلفا علیہ فلینظر ایہما یقع فی قلبہ انہ اصبوہما وسعہ ان یاخذ بہ، فان کانوا ثلاثہ ففقہا واتفق اثنان اخذ بقولہما ولا یسعہ ان یتعد الی قول الثالث۔

ترجمہ: حسن بن زیاد نے اپنی کتاب ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتویٰ دے تو وہ اس فتویٰ کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے

رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے، اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی۔⁽¹⁾

یہی وجہ ہے کہ آج کل علما کی اکثریت مسائل میں اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے فتاویٰ پر عمل کرتی ہے کیونکہ یہ بزرگ علم و تقویٰ میں اپنے زمانے کے تمام علما پر فائق تھے۔

کسی مجتہد کے ایک مسئلے میں مختلف اقوال ہونے کی وجہ

کسی مسئلے میں مجتہد کے جو متعدد اقوال ہوتے ہیں اس کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے کچھ وجوہات یہ ہیں:

(1) راوی نے مجتہد سے سننے میں غلطی کی ہو جیسے مجتہد نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔ لیکن سننے میں نہیں نہ سن سکے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اور یہ ہمارے زمانے میں بھی عام ہے کہ ناجائز کی جگہ جائز یا اس کے الٹ سن یا سمجھ لیتے ہیں۔

(2) مجتہد نے کبھی اجتہاد سے ایک بات بیان کی اور بعد میں اس کی رائے بدل گئی لیکن کسی شخص نے صرف پہلی بات ہی سنی تھی اور اس نے وہی بیان کر دی جبکہ دوسروں نے وہ بات بیان کی جس کی طرف مجتہد نے بعد میں رجوع کیا تھا۔

(3) مجتہد نے ایک بات قیاس کے طور پر کہی اور دوسری بات استحسان کے طور پر اور جس

نے جو سنا اس نے وہی روایت کر دیا۔

(4) مجتہد نے ایک حکم بطورِ فتویٰ کے بیان کیا اور دوسرا حکم بطورِ احتیاط کے۔

(5) مجتہد کبھی دلائل کی وجہ سے مسئلے میں متردد ہوتا ہے۔ کبھی دونوں طرف کی دلیلیں

ہوتی ہیں اور کبھی ایک دلیل میں دونوں احتمال ہوتے ہیں اور مجتہد کبھی کسی دلیل کو

سامنے رکھ کر حکم بیان کرتا ہے اور کبھی کسی دلیل کو سامنے رکھ کر اوریوں ایک مسئلے

میں دو قول ہوتے ہیں۔⁽¹⁾

مجتہد کا کسی مسئلے سے رجوع کر لینا

اگر کسی مسئلے میں مجتہد کے دو قول اس طرح ہوں کہ ایک قول سے اس نے مکمل طور

پر اعراض نہیں کیا لیکن راجح دوسرے کو قرار دیا ہے تو راجح قول کو مجتہد کا قول اور دوسرے

قول کو اس سے ایک روایت کے طور پر بیان کیا جائے گا لیکن اگر وہ ایک قول سے مکمل طور

پر اعراض کر چکا تو اسے اس کا قول نہیں قرار دیں گے بلکہ صرف راجح ہی اس کا قول شمار کیا

جائے گا۔⁽²⁾

فقہ حنفی میں مختلف اقوال کیوں؟

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ فقہ حنفی میں ایک قول اگر امام ابو حنیفہ کا ہے تو دوسرا قول

امام ابو یوسف یا امام محمد کا ہوتا ہے۔ جب ہم حنفی ہیں تو امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی دوسرے

1 شرح عقود، ص 86

2 شرح عقود، ص 91

کے قول پر عمل کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ علما نے یہ بیان فرمائی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کسی مسئلے میں بعض اوقات ایک قول ارشاد فرماتے پھر مزید غور و خوض فرماتے تو دوسرا قول ارشاد فرماتے اور بعض اوقات اس سے بھی زائد اقوال ارشاد فرماتے پھر دلائل کی روشنی میں ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ کے شاگرد آپ ہی کے بیان کردہ اقوال میں سے کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیتے تو گویا حقیقت میں ان کے اقوال بھی امام اعظم ہی کے اقوال ہوتے ہیں لیکن چونکہ امام اعظم نے انہیں اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اگر دلیل کی روشنی میں تم میرے قول کے علاوہ کسی دوسرے قول کو مضبوط سمجھو تو اسی کو بیان کرو چنانچہ آپ کے شاگرد آپ ہی کے اقوال میں سے کسی قول کو آپ کی اجازت سے آپ کے بیان کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں ترجیح دے کر اختیار کرتے تھے اس لئے ان اقوال پر عمل کرنے سے آدمی فقہ حنفی سے نہیں نکلتا۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی حدیث کے مقابلے میں کسی کے قول پر عمل نہیں ہوگا۔

امام شعرانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے ائمہ اربعہ سے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی حدیث مبارک کے مقابلے میں ان کے اقوال پر ہرگز ہرگز عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کے اقوال امام ابن عبد البر رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں بھی بیان فرمائے ہیں۔

اقوالِ ائمہ کے بارے میں اہم ہدایت

ان اقوال کا یہ مطلب نہیں کہ کسی بھی شخص کو کوئی حدیثِ ائمہ دین کے اقوال کے برخلاف نظر آئے تو فوراً ان اقوال کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کر لے کیونکہ ائمہ دین کوئی عام آدمی نہ تھے بلکہ قرآن و حدیث پر انتہائی گہری نظر رکھنے والے اور متعارض باتوں میں تطبیق دینے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے انتہائی ماہر تھے تو ممکن ہے کہ جس قول کو عام آدمی کسی حدیث کے خلاف سمجھ رہا ہے وہ حقیقت میں خلاف نہ ہو بلکہ امام مجتہد جس حدیث پر عمل کر رہا ہے وہ اس عام آدمی کی بیان کردہ حدیث سے زیادہ قوی ہو اور عام آدمی والی حدیث میں کوئی تاویل ہو یا اس کا کوئی خاص محمل و مطلب ہو یا کوئی بھی دوسری صورت ہو تو ایسی صورت حال میں ہر شخص کو یہ اختیار ہر گز نہیں کہ وہ کسی بھی حدیث کو لے کر ائمہ دین کے اقوال کو رد کرتا پھرے۔ فی زمانہ گمراہی کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ نہ قرآن کے بارے میں مکمل معلومات، نہ حدیث پر گہری نظر، نہ مصالِح شرعیہ کے علم پر عبور، نہ علوم دینیہ کے ماہرین کی آرا کا علم اور اس کے باوجود صرف اردو میں ترجمہ قرآن اور احادیث کی ایک آدھ اردو شرح دیکھ کر اپنے آپ کو مجتہد کے مرتبے پر فائز سمجھتے ہیں اور پھر کبھی امام ابو حنیفہ کی غلطیاں نکالتے ہیں تو کبھی امام شافعی کی اور کبھی پوری امت کو چیلنج کر کے عام مسلمانوں کے راستے سے جدا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسوں کیلئے صرف یہ آیت پیش خدمت ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا

ترجمہ کنز العرفان: اور جو اس کے بعد کہ اس کے

لئے ہدایت بالکل واضح ہو چکی رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کتنی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَ نُصَلِّهِ
جَهَنَّمَ طَوَّاءَتٌ مَّصِيْرًا ۝۵
(پ 5، النساء: 115)

ائمہ دین کے اقوال کا مطلب

ائمہ دین نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بالکل درست ہے اور ہر صاحب ایمان کا یہی عقیدہ اور عمل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مقابلے میں کسی کا قول و عمل معتبر نہیں۔ لیکن اس بات کا فیصلہ کرنا کہ آیا واقعی فلاں امام مجتہد کا قول حدیث کے برخلاف ہے یہ ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ اس کی نہایت اہم تفصیل ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی شرح میں امام اہلسنت، مجدد دین و ملت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل کتاب الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذہبی تحریر فرمائی جس میں اس قول کی نہایت عمدہ انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ راقم الحروف نے اس رسالے کی تسہیل بھی لکھی ہے جو راقم کے مجموعہ رسائل رسائل قادریہ میں موجود ہے۔ اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام

فقہ حنفی کے مسائل کی تین قسمیں ہیں:

(1) امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل۔

(2) امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر شاگردوں کے بیان کردہ مسائل۔

(3) بعد میں آنے والے فقہائے کرام کے بیان کردہ وہ مسائل جن میں انہوں نے امام اعظم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے اصول و قواعد کو پیش نظر رکھا ہے۔

ان تین قسم کے مسائل میں سب سے مقدم پہلے نمبر کے مسائل ہیں پھر تیسرے نمبر کے اور پھر دوسرے نمبر کے کیونکہ جن مسائل کی بنیاد اول تا آخر امام اعظم کے اصولوں پر ہے وہ دیگر ائمہ کے اقوال کی بنسبت امام اعظم کے مذہب کے زیادہ قریب ہیں۔

اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب

اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب یہ ہے:

(1) سب سے مقدم وہ قول ہے جس پر امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ تینوں متفق ہوں۔

(2) وہ اقوال جن میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف ایک طرف اور امام محمد ایک طرف ہوں یا امام ابو حنیفہ اور امام محمد ایک طرف اور امام ابو یوسف طرف ہوں وہاں اس قول پر عمل کیا جائے گا جس میں امام اعظم کے ساتھ ان کا کوئی شاگرد موجود ہے۔

یو نہی وہ اقوال جن میں امام ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین متفق ہوں اس میں کس کے قول پر عمل ہوگا؟ اس میں دونوں اقوال ہے اور عمومی تحقیق یہ ہے کہ امام کے قول پر ہی فتویٰ ہوگا۔

(3) وہ اقوال جن میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کا اختلاف ہے ان میں سب سے مقدم امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(4) جس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(5) جس مسئلے میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف دونوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام محمد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(6) جس مسئلے میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام زفر اور امام حسن بن زیاد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب کے متعلق دو اہم ہدایات

(1) یہ یاد رکھیں کہ اصولی اعتبار سے تو وہی تفصیل ہے جو ہم نے بیان کی لیکن اگر بعد میں آنے والے حنفی ائمہ مجتہدین نے بعض صورتوں میں قوتِ دلیل اور بعض صورتوں میں زمانہ بدلنے یا حرج و ضرورت کی وجہ سے کسی دوسرے قول پر فتویٰ دیا تو اسی پر عمل کیا جائے جو بعد والوں نے فتویٰ دیا۔

(2) اوپر جو ترتیب ذکر کی گئی ہے وہ عوام اور عام علما کیلئے ہے لیکن اگر کوئی ایسا عالم ہے جو اجتہاد کے مرتبے پر پہنچ چکا ہو تو اس پر لازم نہیں کہ امام کے قول پر ہی عمل کرے بلکہ وہ خود اجتہاد کرے اور جس کا قول اس کی نظر میں دلائل کی روشنی میں مضبوط نظر آئے اس پر عمل کرے۔

ایسا عالم وہ ہوتا ہے جو اپنے امام کے مذہب کی بھرپور معلومات رکھتا ہو، مختلف اقوال کے درمیان فرق کو پہچانتا ہے، ان اقوال کے منشا اور دلائل کو سمجھتا ہو اور اپنے زورِ استدلال، ملکہ استنباط اور قوتِ استخراج سے مختلف اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہو۔

فتویٰ نویسی میں ایک اہم ہدایت

اوپر ہم یہ بات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ مختلف ائمہ کے اقوال میں کس کے قول پر کب عمل کیا جائے گا یہاں ہم ان مسائل کے بارے میں کلام کریں گے جن میں ائمہ متقدمین کا کوئی قول نہ ہو۔ بعض اوقات کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ اس کے بارے میں ائمہ متقدمین میں سے کسی کا قول بھی نہیں ملتا ایسی صورت میں حکم یہ ہے:

(1) اگر بعد میں آنے والے مشائخ نے اس مسئلے میں کلام فرمایا ہو اور وہ سب ایک قول پر متفق ہو چکے ہوں تو اسی قول کو لیا جائے۔

(2) اور اگر متاخرین مشائخ کا اس مسئلے میں اتفاق نہ ہو تو جس قول پر مشہور و معروف اکابر فقہائے کرام کی کثرت ہو اس قول کو لیا جائے گا۔ اکابر علما سے مراد ہے جیسے امام ابو حفص کبیر، فقیہ ابو الیث سمرقندی، امام طحاوی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ وغیرہا۔

(3) اگر مشائخ کا کوئی قول اس بارے میں نہ ملے تو خود دلائل کی روشنی میں غور کرے اور محض اندازے سے مسئلہ بیان کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرے کہ شریعت کے احکام بتانے میں بغیر علم کے جسارت کرنا بڑی بد بختی ہے۔

(4) اور تیسری صورت سے بہتر صورت یہ ہے اپنے سے بڑے عالم کی طرف یا تو خود رجوع کر لے اور سائل کو بتادے اور یا سائل ہی کو اس کی طرف بھیج دے اگرچہ وہ بڑا عالم کسی دوسرے شہر یا ملک میں رہتا ہو۔ فی زمانہ تو فون کی سہولت کی وجہ سے نہایت آسانی ہے، چند منٹ میں دنیا بھر میں کہیں بھی رابطہ ہو جاتا ہے لہذا مفتی کو چاہئے کہ اپنے وقت کے اصحابِ علم سے تعلقات رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت ان سے رابطہ کرنے میں آسانی رہے۔

اکابر علما کی طرف رجوع کرنا نہایت اہم ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام بھی اسی کی تعلیم دیتے رہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرمایا کرتے تھے: برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے فرمایا: سب سے سچا قول خدا کا قول ہے (یعنی قرآن پاک) سب سے اچھا راستہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کا راستہ ہے (یعنی سنت) اور بدترین کام بدعت کے کام ہیں۔ لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک اپنے اکابر سے علم لے رہے ہیں۔⁽¹⁾ اس بات کی ایک مثال صحابہ کرام سے دیکھیں۔ چنانچہ،

حضرت ابو المنہال فرماتے ہیں: میں نے حضرت برا بن عازب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے بیچ صرف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: زید بن ارقم سے پوچھو وہ زیادہ علم والے ہیں میں نے زید بن ارقم سے پوچھا تو انہوں نے کہا: بَرَّاس سے پوچھو، وہ زیادہ علم والے ہیں پھر دونوں نے فرمایا: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے سونے کی چاندی کے ساتھ ادھار بیچ

سے منع فرمایا ہے۔⁽¹⁾

مفتی کے لئے ایک نہایت اہم ہدایت یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اپنی طرف سے جواب نہ دے بلکہ اپنے سے بڑے عالم کی طرف رجوع کرے تاکہ صحیح جواب دیا جاسکے اور اس بات کو یاد رکھے کہ عالم اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ ہے اور اس کا لوگوں کو مسئلہ بتانا گویا حکم الہی بتانا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اپنی عقل سے لوگوں کو وہ کوئی بات حکم الہی کہہ کر بتائے جو حقیقت میں حکم الہی نہ ہو۔

ایک بزرگ کا قول ہے: عالم اسی وقت تک عالم ہے جب تک بغیر علم رائے زنی نہیں کرتا اور جب تک اپنے سے بڑے عالم کے پاس جانے سے نہیں شرماتا۔⁽²⁾

صرف اصول و قواعد کو دیکھ کر فتویٰ لکھنا

فتویٰ نویسی میں بعض اوقات دو طرح کے رجحان دیکھنے میں آتے ہیں۔ بعض حضرات وہ ہیں کہ فقہی جزئیات پر اس قدر ڈٹ جاتے ہیں کہ اگرچہ زمانہ بدل جائے، حالات بدل جائیں، ضرورت و حاجت و بلوی کچھ بھی ہو جائے لیکن وہ مسائل میں تبدیلی اور ترقی کے قائل نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیسیوں جگہ مسلمان شدید مشقت کا شکار ہوتے ہیں لیکن چونکہ فقہی کتابوں میں اس مسئلے کے بارے میں فقہانے کچھ لکھ دیا ہوتا ہے اس لئے ایسے مفتی صاحبان اُس سے مَس نہیں ہوتے۔ دوسری طرف ایسے حضرات بھی پائے

1..... مسلم شریف، 2/ 25

2..... جامع بیان العلم وفضلہ، 1/ 251 بیروت

جاتے ہیں کہ جو فقہی جزئیات کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں اور صرف اصولوں کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دیدیتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں نہایت نقصان دہ ہیں۔ پہلی صورت کا نقصان تو یہ ہے کہ تمام علماء و فقہاء کا متفقہ فیصلہ اور عمل ہے کہ زمانے کے بدلنے سے بعض مسائل میں تبدیلی آتی ہے اور ضرورت، حاجت، حرج، عموم بلوئی اور اس طرح کی چند چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے تو جو لوگ اپنے موقف سے بالکل نہیں ہلتے وہ مسلمانوں کو تنگی میں ڈالتے ہیں اور ایسے لوگوں کا یہ رویہ سراسر غلط اور نامناسب ہے۔ چنانچہ،

اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے اپنی کتاب اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ اس میں علامہ شامی کا بیان کردہ یہ قول قابل توجہ ہے جسے اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے اجلی الاعلام میں بھی نقل فرمایا ہے:

فقد ظهر لك ان جمود المفتي او القاضي على ظاهر المنقول مع ترك العرف
والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق
كثيرين۔

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ مفتی یا قاضی کا محض منقولات کے ظاہر کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور لوگوں کے عرف، قرائن واضحہ اور لوگوں کے احوال سے صرف نظر کر لینا بہت سے حقوق کے زائل ہو جانے کا باعث ہو گا اور خلق خدا پر ظلم و تعدی کا دروازہ کھل جائے گا۔⁽¹⁾

دوسری صورت کا نقصان بھی واضح ہے کہ جو لوگ فقہائے کرام کے جزئیات کی طرف توجہ کم اور اصولوں کی طرف توجہ زیادہ کرتے ہیں وہ عموماً خطا کرتے ہیں کیونکہ اصولوں کی روشنی میں جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

- (1) تمام اصول ذہن نشین ہوں۔
- (2) ان اصولوں کو باقاعدہ کسی ماہر فن یعنی فقیہ سے پڑھا ہو۔
- (3) گزشتہ فقہانے ان اصولوں سے جو مسائل استنباط کئے ہوں انہیں مکمل طور پر سمجھتا ہو۔
- (4) جہاں اصولوں میں تعارض ہو وہاں تطبیق و توجیہ اور ترجیح کی صورتیں جانتا ہو۔
- (5) اصولوں کی روشنی میں مسائل کے استخراج کی مشق باقاعدہ کسی فقیہ سے کی ہو۔
- (6) اپنے زمانے کے عرف اور لوگوں کے حالات سے واقف ہو۔
- (7) فتویٰ نویسی کے اصولوں پر کامل دسترس ہو۔
- (8) جو صورتیں اصولوں سے مستثنیٰ ہوتی ہیں انہیں جانتا ہو۔
- (9) قرآن و حدیث کی نصوص کی وجہ سے بعض چیزیں اصولوں سے الگ ہوتی ہیں ان تمام صورتوں کا علم ہو۔
- (10) بعض احکام کسی خاص اصول کے تحت نہیں آتے بلکہ ان پر صراحت کے ساتھ آیات و احادیث یا صحابہ کے فتاویٰ ہوتے ہیں ایسی تمام صورتوں کو جانتا ہو۔
- (11) بعض اوقات دو مسئلے ایک ہی طرح کے محسوس ہوتے ہیں جبکہ ان میں کوئی باریک

فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں کا حکم الگ الگ ہوتا ہے۔ یہ نہایت نازک معاملہ ہوتا ہے۔ فقہانے اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

یہ چند چیزیں سمجھانے کیلئے عرض کی ہیں کہ اصولوں کی روشنی میں جواب دینے کیلئے کن کن چیزوں کی حاجت ہے لہذا سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ ہر مسئلے کے بارے میں فقہائے کرام کی صریح عبارتوں کو نقل کیا جائے اور جہاں صریح عبارتیں نہ ملی وہاں دوسروں کے مشوروں کے ساتھ اصولوں کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

لہذا فتویٰ دینے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ نہ تو ضرورت و حاجت و حرج و بلوی کا نام لے کر ہر چیز کو جائز قرار دیتے جائیں اور نہ جزئیات پر ایسے اڑ جائیں کہ اگرچہ مسلمان مشقت میں پڑیں، تکلیفیں اٹھائیں، دین سے دور ہوتے رہیں، عقیدے اور عمل میں غلط راہ کی طرف بڑھتے رہیں لیکن کسی بھی طرح مسائل میں تبدیلی نہ کی جائے۔

فتویٰ نویسی میں چند اہم اصول

(1) فقہ حنفی میں عبادات یعنی وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے مسائل میں اکثر و بیشتر امام اعظم رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں ائمہ ترجیح نے کسی دوسرے کے قول کو راجح قرار دیا ہو وہاں اس قول پر فتویٰ جائے گا۔

(2) جو معاملات کورٹ اور قضا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان میں اکثر امام ابو یوسف رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ آپ ایک زمانے تک تمام اسلامی ممالک کے قاضی القضاة یعنی چیف جسٹس رہے۔ یہ ایک اہم اصول ہے کہ جس شخص

کو جس چیز کا تجربہ ہوتا ہے وہ اس میں پوری بصیرت کے ساتھ فتویٰ دے سکتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ بلکہ اکثریہ ہے۔

جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: علمائے مسائل وقف و قضا کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالباً قولِ ثانی پر فتویٰ ہے، اس سے ہر وہ امر کہ زیر قضا آسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم و صلوة کے سوا نکاح و بیع و ہبہ اجارہ و رہن وغیرہ تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا، پھر خاص اسے الگ گننے کے کیا معنی، نہ ہر گز عالم میں کوئی عالم اس کا قائل اور خود ہزاروں ہزار کتب فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قولِ امام ہی پر فتویٰ ہے اگرچہ رائے امام ابو یوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص ان مسائل معاملات میں اکثری طور پر ہے جنہیں فقہا کتاب القضاء و کتاب الوقف میں لکھتے ہیں۔⁽¹⁾

(3) ذوی الارحام کے وراثت کے مسائل کے متعلق امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لیکن فی زمانہ اس قول کے مشکل ہونے کی وجہ سے علماء امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(4) جس قیاس کی علت پوشیدہ ہو اسے استحسان اور جس قیاس کی علت بالکل واضح ہو اسے قیاس کہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر مسائل میں استحسان کو قیاس پر ترجیح دی جاتی ہے البتہ بعض مقامات پر قیاس استحسان پر ترجیح پاجاتا ہے۔ پھر یہاں مزید دو صورتیں بنتی ہیں۔ بعض

اوقات راجح صورت پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض اوقات واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف بہتر ہوتا ہے۔

(5) ظاہر الروایۃ میں ذکر کردہ مسائل دیگر مسائل پر راجح ہوتے ہیں سوائے ان صورتوں کے جہاں پر بعد والے فقہائے کرام نے دوسرے اقوال کو راجح قرار دیا ہو۔

فقہی کتابوں کی تین اقسام

فقہی کتابوں کی تین قسمیں ہیں: (1) متون (2) شروح (3) فتاویٰ متون میں بیان کردہ مسائل دیگر دونوں قسموں فائق ہوتے ہیں جبکہ شروح میں بیان کردہ مسائل فتاویٰ پر مقدم ہوتے ہیں۔ البتہ اگر متون کے مقابلے میں شروح و فتاویٰ یا شروح کے مقابلے میں فتاویٰ کے کسی مسئلے کو علمائے راجح قرار دیا ہو تو اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

در حقیقت متون کی کتابیں اس لئے لکھی گئی تھیں کہ ان میں فقہ حنفی کے راجح اقوال نقل کئے جائیں۔ چونکہ ان کتابوں میں صحیح اقوال نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے اس لئے ان میں ذکر کردہ مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں تصحیح التزامی ہے۔ اس تصحیح التزامی کے مقابلے میں اگر صریح تصحیح مل جائے تو صریح تصحیح پر عمل کیا جائے گا۔

معتبر متون یہ ہیں:

(1) ہدایہ (2) قدوری (3) مختار (4) نقایہ (5) وقایہ (6) کنز الدقائق

(7) ملنقی (8) الننف فی الفتاویٰ وغیرہا۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں یہ سب مختصر کتابیں ہیں اور یہ متاخرین علما کی

اصطلاح ہے جبکہ متقدمین جب یہ فرماتے ہیں: یہ مسئلہ متون میں ہے، اس سے ان کی مراد اکابر مشائخ اور جلیل القدر فقہائے کرام کی کتابیں ہوتی ہیں جیسے امام طحاوی، امام کرخی، امام جصاص، امام خصاص اور امام حاکم وغیرہم کی کتابیں۔

متون و شروح و فتاویٰ کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہلسنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے نزدیک فقہ کے متون، شروح اور فتاویٰ کی تفصیل درج ذیل ہے:

متون فقہ

(1) مختصر امام طحاوی (2) مختصر امام کرخی (3) مختصر امام قدوری

(4) کنز الدقائق (5) وافی (6) وقایہ (7) نقایہ (8) اصلاح (9) مختار

(10) مجمع البحرین (11) مواہب الرحمن (12) ملتقى۔

اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کیلئے لکھی گئی ہیں۔ منیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتاویٰ سے زیادہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں مخصوص مذہب سے متصادم ہیں۔

کتاب الاشباہ فتاویٰ کی نقول و ابحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتاویٰ ہی کا ہے یا شروح کا۔ یہ ذہن نشین رہے۔ اور علمائے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجودیکہ وہ صورتاً شرح ہے۔

شروح فقہ

کتبِ اصول (یعنی جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں اور مذکورہ مختصرات (یعنی مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری کی وہ شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں۔)

(1) مبسوط امام سرخسی (2) بدائع ملک العلماء (3) تبیین الحقائق (4) فتح القدير (5) عنایہ (6) بنایہ (7) غایۃ البیان (8) درایہ (9) کفایہ (10) نہایہ (11) حلیہ (12) غنیۃ (13) البحر الرائق (14) النہر الفائق (15) درر الاحکام (16) دُر مختار (17) جامع المضمورات (18) جوہرہ نیرہ (19) ایضاح اور ایسی ہی دیگر کتابیں۔

میرے نزدیک ان ہی میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے (20) غنیۃ شربلالی (21) حواشی خیر الدین رملی (22) ردالمحتار (23) منحة الخالق اور ایسے ہی حواشی۔ (24) فتاویٰ خیریہ (25) العقود الدریہ۔

مجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں بلکہ سراج و باج اور شرح مسکین بھی نہیں۔

فتاوائے فقہ

(1) خانہ (2) خلاصہ (3) بزازیہ (4) خزائنہ المفتین (5) جواہر الفتاویٰ (6) محیطات (میط نام کی متعدد کتابیں ہیں جیسے: محیط برہانی، محیط رضوی وغیرہ) (7) ذخیرہ (8) واقعاتِ ناطفی (9) واقعاتِ صدر شہید (10) نوازل فقیہ (11) مجموع النوازل (12) ولوالجیہ

(13) ظہیریہ (14) عمدہ (15) کبریٰ (16) صغریٰ (17) تتمہ الفتاویٰ (18) صیرفیہ
 (19) فصول عمادی (20) فصول استروشنی (21) جامع صغار (22) تاتارخانیہ
 (23) ہندیہ

اور ایسی ہی کتابیں ان ہی فتاویٰ میں (24) منیہ بھی ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا
 قنیہ، رحمانیہ، خزائنہ الروایات، مجمع البرکات اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں۔ تو
 ان میں جو چھان بین اور تنقید و تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروع کے درجہ میں ہیں
 جیسے فتاویٰ خیریہ اور علامہ شامی کی العقود الدریہ اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان
 و کرم سے میرے ان فتاویٰ کو بھی ان ہی کی سلک میں منسلک فرمائے گا کہ اہل کرم کے جام
 سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاویٰ طوری اور فتاویٰ محقق ابن نجیم تو ان کے
 بارے میں کہا گیا ہے کہ قابلِ اعتماد نہیں اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے۔

سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر مسانید، اسی طرح متون پھر شرح پھر فتاویٰ۔⁽¹⁾

اردو فتاویٰ میں فتاویٰ رضویہ سب پر فائق ہے اور اس کے علاوہ فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ
 نوریہ، فتاویٰ فیض الرسول بہت عمدہ فتاویٰ ہیں۔

مختلف کتابوں کے مختلف انداز

مختلف مصنفوں کے اندازِ تصنیف مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے اندازِ تصنیف کو جاننے کا
 فائدہ یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اس مصنف کے نزدیک معتبر قول کون سا ہے۔

چند انداز ہم یہاں بیان کرتے ہیں جس سے کتابوں کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(1) فتاویٰ قاضی خان اور ملتقی الابحر میں اگر کسی مسئلے میں دو قول لکھے ہوں تو جو قول پہلے لکھا ہو گا وہ مقدم ہو گا۔

(2) جن کتابوں میں مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی مذکور ہوتے ہیں ان میں جس قول کی دلیل آخر میں لکھی ہو وہ سب سے مقدم ہو گا جیسے ہدایہ، اور اس کی شروحات، کنز الدقائق کی شروحات، کافی للنسفی، بدائع الصنائع وغیرہا۔

(3) جب کسی مسئلے میں تین اقوال ہوں تو ان میں درمیان والا قول راجح نہیں ہو سکتا ہے بلکہ پہلا قول راجح ہو گا یا تیسرا۔

(4) اگر دو یا دو سے زیادہ اقوال لکھے گئے اور ان میں ایک قول کے ساتھ اس کی دلیل بھی لکھی گئی ہو جبکہ دیگر اقوال کی دلیل مذکور نہ ہو تو جس قول کو دلیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ راجح ہو گا۔

(5) ہندیہ میں جب کسی مسئلے کے بعد کذا فی الخانیۃ وغیرہ ہو تو وہ مسئلہ لفظاً منقول ہے جبکہ اگر کذا فی الغنیۃ وغیرہ ہو تو وہ مسئلہ معنی منقول ہے۔

ترجیح کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ

فقہائے کرام کی مخصوص اصطلاحات ہیں جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بکثرت استعمال کرتے ہیں اور ان علامات کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ راجح قول کون سا ہے ہم یہاں ان اقوال کو بیان کرتے ہیں۔

- (1) علیہ الفتویٰ (اسی پر فتویٰ ہے۔)
- (2) بہ یفتی (اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔)
- (3) بہ ناخذ (اسی کو ہم لیتے ہیں۔)
- (4) علیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔)
- (5) علیہ عمل الیوم (اسی پر آج کے دور میں عمل ہے۔)
- (6) علیہ عمل الامۃ (اسی پر امت کا عمل ہے۔)
- (7) ہو الصحیح (یہی صحیح ہے۔)
- (8) ہو الاصح (یہی زیادہ صحیح ہے۔)
- (9) ہو الاظہر (یہی زیادہ ظاہر ہے۔)
- (10) ہو المختار فی زماننا (ہمارے زمانے میں یہی مختار ہے۔)
- (11) فتویٰ مشائخنا (یہ ہمارے مشائخ کا فتویٰ ہے۔)
- (12) ہو الاشبه (یہ مخصوص کے زیادہ مشابہ ہے۔)
- (13) ہو الوجه (یہی زیادہ وجہ ہے۔)
- (14) ہو الاحوط (اس میں زیادہ احتیاط ہے۔)
- (15) ہو الارفق بالناس (یہ لوگوں کے لئے زیادہ نرمی والا ہے۔)
- (16) الموافق لتعاملہم (یہ لوگوں کے تعامل کے مطابق ہے۔)

الفاظِ افتاء کے حوالے سے ایک اہم تشبیہ

یہاں یہ بات یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ فتویٰ دیتے وقت یہ نہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ میں سے کسی کتاب میں کوئی بھی لفظ دیکھا تو فوراً اس کے مطابق فتویٰ دیدیا بلکہ ان الفاظ میں درجہ بدرجہ ترتیب ہے کہ ان میں کون سا لفظ دوسرے الفاظ کی بنسبت زیادہ قوی ہے۔ اس کیلئے درج ذیل تفصیل کو سامنے رکھنا نہایت مفید ہے:

(1) سب سے قوی تر یہ لفظ ہے: علیہ عمل الامة یعنی اس پر امت کا عمل ہے۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے۔

(2) جن اقوال میں فتویٰ کا لفظ پایا جائے وہ دیگر الفاظ والے اقوال سے زیادہ قوی ہوتے ہیں کیونکہ کسی قول کا صحیح ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا ہے کہ اسی کے مطابق فتویٰ بھی دیا جائے کیونکہ بعض اوقات ایک قول صحیح تو ہوتا ہے لیکن زمانے کے حالات کے پیش نظر یا کسی دوسری وجہ سے دوسرے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

(3) علیہ الفتویٰ اور بہ یفتی کے الفاظ الفتویٰ علیہ سے زیادہ قوی ہیں کیونکہ پہلے دونوں الفاظ کا مطلب ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے، جبکہ تیسرے لفظ کا مطلب ہے کہ اس پر فتویٰ ہے، تو پہلے دونوں لفظوں میں حصر کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے وہ زیادہ قوت والے الفاظ ہیں۔

(4) فتویٰ والے الفاظ صحیح، الاصح، الاشبه وغیرہ تمام الفاظ سے زیادہ قوی ہیں۔

(5) الاحوط کا لفظ اس سے زیادہ قوی ہے جس میں صرف الاحتیاط کا لفظ ہو۔

(6) ہو الاصح اور هو الصحيح میں سے کون سا لفظ زیادہ راجح ہے اس بارے میں علماء کے

مختلف اقوال ہے۔ اس کی تفصیل ہم اس بحث کے آخر میں کریں گے۔

یہ چند الفاظ فتویٰ اور انکے متعلقہ احکام یہاں ذکر کئے گئے ہیں۔ ان کا بہترین استعمال دیکھنے کیلئے فتاویٰ رضویہ شریف کا ایک مفصل فتویٰ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ یہ فتویٰ اگرچہ نہایت تفصیلی ہے لیکن ابھی تک کے بیان کئے گئے اکثر اصول اس فتویٰ میں موجود ہیں۔

رسم المفتی کے اصولوں پر مبنی ایک شاہکار فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر نے ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر و متدین سمجھ کر سالہا سال اجرت پر کام بنانے کے لئے دیا وہ کارِ یگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گم ہو گیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب

ناجائز ہے۔

فی الوقایہ لایضمن ماہلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان وبہ یفتی، و فی الاصلاح والتنویر بلفظہ و فی النقایۃ کذلک الاقولہ وبہ یفتی و فی الملتقی المتناع فی یدہ امانۃ لایضمن ان ہلک وان شرط ضمانہ بہ یفتی، و فی الكنز المتناع فی یدہ غیر مضمون بالہلاک، و فی الغرر لایضمن ماہلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان اھ و فی منح الغفار قد جعل الفتویٰ علیہ فی کثیر من المعتبرات وبہ جزم

اصحاب المتون فكان هو المذهب، وفي الخانية المخترافي اجير المشترك قول ابى حنيفة وفيها قال الفقيه ابوالليث على قول ابى حنيفة لايضمن وبه ناخذ و الفتوى على قول ابى حنيفة اه ملخصا، وفي الخلاصة من جنس القصار القاضى الامام يفتى بقول ابى حنيفة قال وانا افتي به وفي التاتارخانية عن الابانة اخذ الفقيه ابوالليث فى هذه المسئلة بقول ابى حنيفة وبه افتي، وفي الانقروية قال القاضى فخر الدين الفتوى على انه لايضمن تاتارخانيه- اه وفي البزازية نوع القضا القاضى افتي بقول الامام اه، وفيها قال فى العون اخترت قول الامام اه، وفيها لوشروط الضمان على المشترك ان هلكت قيل يضمن اجماعا والفتوى على انه لا اثر له واشراطه وعدمه سوا لانه امين، اه، و فيها بعيده فى مسئلة لايضمن وبه يفتى اه وفي الجامع الفصولين قال وفيها عليه قول البزازى ث (الفقيه الامام ابوالليث) به ناخذ قال هذ (صاحب الذخيرة) وفي الهندية اوائل الفصل الاول فى الاجير المشترك قال فخر الدين وعليه الفتوى وبه ناخذ اه وفيها اواخر الفصل المذكور ايضا عن الكبرى الفتوى على انه لانتضمن الاجير المشترك الاماتلف بصنعه-

ترجمہ: وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضے سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی لگائی ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں اور نقایہ میں یونہی ہے سوائے یہ یفتی کے اور ملتی میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہو جانے پر وہ

ضامن نہ ہو گا اگرچہ ضمان کی شرط بھی ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہو جائے تو مضمون نہیں ہے، اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو، اہ اور مخ الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتویٰ ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے اور خانہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابو لیلیث نے فرمایا: امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر وہ ضامن نہ ہو گا۔ ہمارا یہی مختار ہے، اور فتویٰ امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر ہے۔ اہ ملخصاً۔ اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضی خاں امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں اور تاتار خانہ میں الابانۃ سے منقول ہے کہ فقیہ ابو لیلیث نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا قول لیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے قاضی فخر الدین نے فرمایا فتویٰ یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہو گا، تاتار خانہ اہ، اور بزاز یہ کی نوع القضا میں ہے قاضی خاں نے امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول کو اختیار کیا ہے اہ اور اسی میں ہے اگر مشترک اجیر پر شرط ضمان لگائی تو بعض نے کہا بالاتفاق ضامن ہو گا، اور فتویٰ یہ ہے کہ اس شرط کا کوئی اثر نہ ہو گا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ امین ہے اہ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہو گا اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اہ اور جامع الفصولین میں

فرمایا اور اس میں اس پر بزازی کاٹ یعنی فقیہ ابو لیلث کا قول ہم نے یہی اختیار کیا ہے اور ہذا کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے، ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتدا میں ہے۔

فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اہ اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاویٰ کبریٰ میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہو گا مگر جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہو جائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال و فتاویٰ سخت مختلف ہیں، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامم ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقاً تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام قاضی شریح و امام عطا و امام طاؤس و امام مجاہد و امام ابراہیم نخعی و امام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم و غیر ہم اکابر تابعین اور امام زفر و امام حسن بن زیاد و غیر ہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے امام احمد سے بلکہ کہا گیا امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا، اور حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المؤمنین علی كَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمُ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علما نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے امام اجل شریح رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کہ سرکار مرتضوی كَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمُ کے قاضی تھے ہزار

باحبابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرمایا تا بلکہ خود حضور پر نور حکم عدل خبیر محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے اس بارے میں حدیث وارد اور بعینہ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء سے مروی اور انہیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

(ابوحنیفہ) عن بشر الکوفی عن محمد بن علی عن ابیہ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لاضمان علی قصار ولاصباغ۔

ابوحنیفہ بشر الکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت کیا حضور صلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر رمضان نہیں۔

اور اسی پر جزم فرمایا: ملتقی ووقایہ و نقایہ و غرر و اصلاح و تنویر و غیر ہامتون میں اور یہی مقتضی ہے اطلاق قدوری و ہدایہ و کز و مجمع و غیر ہامتون کا، غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتویٰ دیا امام فقیہ ابولیت سمرقندی اور امام اجل قاضیخان اور امام ظہیر الدین مرغینانی اور امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ و غیر ہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیری اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح و مختار و معتمد و مفتی بہ ٹھہرایا، مضمرات و ذخیرہ و ابانہ و عون و تاتار خانہ و فتاویٰ کبریٰ و فتاویٰ بزازیہ و محیط ووقایہ و ملتقی و اصلاح و تتمہ و تنویر و منخ و درر و غیر ہاجمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں اور اس کی ترجیح

متفقہی ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایہ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتویٰ دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا، ذرا چشم انصاف اس مذہب مذہب کی سطوت و شوکت ملاحظہ کرے۔

اما ان شریحا یقول بہ (فمحمد) فی الآثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط (قلت) وارسلہ الامام فی المسند عن النخعی، واما عطا وطاؤس فعزاه الیہما فی الخلاصۃ والخیرۃ وغیرہما، والی مجاہد ایضاً فی الخلاصۃ والی ابراہیم فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار والی حماد فی غایۃ البیان عن مختصر الامام الکرخی، و الی زفر والحسن فیہا والایضاح وفی الہندیۃ ومجمع الانہر واما انہ قول الشافعی وروایۃ عن احمد فیستفاد من شرح العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انہ الاصح عندهم نقل ذلك عن وجیزہم، وحکایتہ محمد ذکرہا الامام قاضیخان فی فتاواہ، واما روایۃ عن عمرو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فالطوری فی شرح الكنز والسید احمد فی حاشیۃ الدر (قلت) ورأیت فی مسند الامام (ابوحنیفۃ) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان لایضمن القصار والصباغ (واخری) زاد فیہا ولا الحائک واما رجوع علی ان هذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی، (قلت) ای للامام شیخ الاسلام الاسیبجانی وقد رأیتہ

فى غاية البيان نقلاعنه و اشار اليه المولى بحر العلوم فى فواتح الرحموت واما حلوله محل الاجماع فالاتقانى ايضا حيث قال كان حكم شريح بحضرة الصحابة والتابعين من غير نكير فحل محل الاجماع اه قلت فيه ان لانكير على القضاة فى الاجتهاديات فالسكوت فى امثال المقام لايدل على الوفاق ونقل الاتقانى نفسه فقال قال شيخ الاسلام الاسيبجى فى شرح الكافى قبيل باب الرجل يستصنع الشئى كانت المسئلة مختلفا فيها بين الصحابة والتابعين فابوحنيفة رجح اقوال البعض على البعض اه واما نصوص الملتقى والوقاية والنقاية والاصلاح والكنز والغرر والتنوير والمنح و التاتارخانية و البزازية وفتوى ابي الليث وقاضيخان وابن عبدالرشيد وصاحب الذخيرة والابانة والعون فقد سمعت كل ذلك واما مجمع البحار فعزاليه فى ردالمحتار اثرى الفتوى وعن الامام الظهيرى فى الخلاصة والخيرية والعلمگيرية والعمدة والعمادية والمنح وغيرها، ورجوعه الى هذا فيها الاخيرية وعن المضمرات والذخيرة ايضا فى شرح النقاية وعن التتمة والملحيط فى الايضاح شرح الاصلاح فى حاشية الطحطاوى وردالمحتار، واما ان ترجيحه مقتضى صنيع الهداية فلتقديمه القول وتاخيره الدليل واما انها هى ظاهر الرواية عن الامام فالشامى وغيره فى العقود الدرية وغيرها واما الجزم به فى المتون والافتا به فى عامة المعتمرات حتى كان هوالمذهب فقد سمعت نص المولى ابي عبدالله محمد بن عبد الله التمرتاشى وتبعه

افندی شیخی زادہ والمدقق الحصفی و اللہ تعالیٰ اعلم۔

بالجملہ مذہبِ امامِ غایت درجہ قوت و جلالت و ثبات و متانت پر واقع ہے: بحیث
لاتزعزع جوانبہ صیحة صائح ولاتزلزل اركانہ صولة صائل وانا اقول واللہ التوفیق
(ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے
جنبش دی۔)

ممارس فن جب بڑگاہِ امعان ہمارے اس تلخیص عبارت و تحسین اشارت پر نظر کریں
تو انشاء اللہ تعالیٰ اس پر مہر نیمروز و ماہِ نیم ماہ کی روش روشن و بین ہوگا کہ یہاں مذہبِ امامِ دَقیق
اللہ عنہ بوجہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف و منافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے اگرچہ وہ بھی
مذیل الافتا والتصحیح ہوں کہ مطاقاً اختلافِ فتویٰ مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اولاً عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروع اور شروع
فتاویٰ پر مقدم ہیں و هذا یعرفہ کل من له معرفۃ فی الفقہ (یعنی اس کو فقہ کی معرفت والا
ہر ایک جانتا ہے۔)

علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں: اذا اختلف التصحیح والفتویٰ
فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولیجب۔ تصحیح اور فتویٰ میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون
کی موافقت میں عمل اولیٰ ہے۔

علامہ بیروی شرح اشباہ میں غیر مذہبِ امام پر بعض جگہ فتویٰ دیا جانا ذکر کر کے کہتے

بِهَذَا ظَهْرَانَهُ لَا يَفْتَى وَلَا يَعْمَلُ الْاَبْقُولُ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ وَلَا يَبْعُدُ عَنْهُ اِلَى قَوْلِهِمَا
اَوْ قَوْلِ اَحَدٍ مَهُمَا اَوْ غَيْرَهُمَا الْاَلْضُرُورَةُ مِنْ ضَعْفِ دَلِيلٍ اَوْ تَعَامُلٍ بِخِلَافِ كَامِلِ مَزَارَعَةٍ
وَأَنْ صَرَحَ الْمَشَائِخُ بِأَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام ابو حنیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور
عمل کیا جائے گا اور صاحبین رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف
عدول نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلاً
مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقاً فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہو گا اگرچہ مشائخ تصریح بھی
کردیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

اسی طرح علامہ فہامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا: واوولہ المقرر
عندنا انه لا يفتى الخ وأخره لانه صاحب المذهب والامام المقدم۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتویٰ اور عمل امام صاحب کے قول
پر ہی ہو گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

وكذا لا يتخير (ای المفتى فى الافتاء) لماشا عند اختلاف الفتيا) لو كان احدهما
قول الامام والاخر قول غيره لانه لما تعارض التصحيحان تساقطا فرجعنا الى الاصل
وهو تقديم قول الامام الخ۔

یونہی مختار نہ ہو گا (یعنی فتاویٰ میں اختلاف کے موقع پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتویٰ دینے کا اختیار

نہیں) جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی میں دوسرے کا قول ہو، کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہو جاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔

مثالاً: جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا:

ولاشك ان قول الجمهور الذين منہم امامنا خير لنا من بعض ليس هو منہم۔
اس میں شک نہیں کہ جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو جمہور میں شامل نہ ہوں۔

رابعاً: خود حضور عالم صَلَّ اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے اس بارے میں حدیث مروی ہے بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوعہ کا نام بھی سننے میں نہ آیا۔

خامساً: قول امام پر فتویٰ دینے والے اجلہ ائمہ، مالکان ازمہ ترجیح و افتاء، معروفین بالاتفاق، مشارالہم بالبنان ہیں جیسے امام ابو لیلیث سمرقندی و امام محقق برہان الدین مرغینانی و امام ظہیر الدین مرغینانی و امام افتخار الملہ والدین طاہر بن بخاری وغیر ہم من الحلۃ الاکابر رَحْمَةُ اللهُ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ بخلاف مذاہب صاحبین کہ اس پر فتویٰ غالباً بالفاظ نکارت و ابہام منقول ہوا۔
من الناس من افتى بقولہما (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔) دوسری جگہ ہے: قول بعضهم بہ یفتی (بعض نے یہ فتویٰ دیا ہے۔) شرح کنز عینی میں ہے: بہ یفتی بعضهم (اسی پر بعض نے فتویٰ دیا ہے۔) خلاصہ و بزازیہ میں ہے: بعض العلماء اخذوا بقولہما (بعض علمائے صاحبین کا قول لیا ہے۔)

شاید یہی وجہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتویٰ نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معریٰ رکھا اور اس کا عکس ہر گز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علما قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے، اور رہا تبیین کا حکم بقولہما یفتی (صاحبین کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔) سوان اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلیعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادسا: جمہور کا فتویٰ اسی طرف ہے: لما مران قد جعل الفتویٰ علیہ فی عامہ المعتبر یعنی جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتویٰ جاری ہو اور قول جمہور ہمیشہ منصور و غیر مجبور۔

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتمد علیہ الکبار المعروفون منہم کابی حفص وابی جعفر وابی الیث و الطحاوی وغیرہم ممن یعتمد علیہ۔

علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہا کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائے گا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو ان میں جیسا کہ ابو حفص، ابو جعفر، ابولیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں۔

سابعاً: اس قول پر فتویٰ دینے والے ایک امام علامہ فخر الملک والدین حسن بن منصور اوز جندی ہیں رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اور یہ امام فارس میدان ترجیح و تصحیح ہیں جن کی نسبت علما تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتویٰ سے عدول نہ کیا جائے۔

علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں:

علیک بما فی الخانیة فان قاضیخان من اهل التصحیح والترجیح۔
خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخان اہل تصحیح و ترجیح میں سے ہیں۔
علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں:

ما یصحہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدا علی ما یصحہ غیر لانہ کان
فقیہ النفس۔

قاضیخان کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔
سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی
حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں:

الذی یظہر اعتماد مافی الخانیة لقولہم ان قاضیخان من اجل من یعمتد
علی تصحیحاتہ۔

قاضی خاں کے بیان پر اعتماد کی وجہ فقہا کا یہ فرمان ہے کہ قاضی خاں وہ جلیل الشان
شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود الدررہ میں فرماتے ہیں:

ما یصحہ قاضی خان مقدم علی ما یصحہ غیرہ۔

قاضی خاں کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔

اب تو بحمد اللہ عرش تحقیق مستقر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلاشبہ امام

الاقوال و اقوی الاقوال ہے جس سے بلا ضرورت ہر گز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح صحیح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح و متدین ہے تو ضمان نہیں اور خائن دغا باز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کر لیں۔

صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا: کما فی الخیرۃ عن جامع الفصولین جیسا کہ خیر یہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتویٰ دیا، کما فی الحامدیۃ (جیسا کہ حامد یہ میں ہے)۔ بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں: فقیہین جلیلین ابو جعفر و ابواللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول سب سے اولیٰ اور اسلم ہے اور یہی فتویٰ ہے امام جلال الدین زاہدون کا، کما فی منح الغفار و الطحطاویۃ (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے) علامہ خیر الدین ربلی استاد صاحب در مختار، علامہ اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ما احسن التفصیل الاخیر (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے)

فاضل شامی فرماتے ہیں: قد اختلف الافتاء وقد سمعت مافی الخیرۃ۔ فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیر یہ کا بیان سن لیا ہے۔

اور فی الواقع یہ اس اعلیٰ درجہ نفاست و متانت و احتیاط رزانت و مراعات جانین و حفظ مذہب و لحاظ زمانہ پر واقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی، نخواہی، قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشنتِ قوال و فتاویٰ کے پریشان کئے ہوئے ذہن اسے سنتے ہی سکون

واطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی مانحن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہا سال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت ماحفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقاً اس کے پاس سے یہ مال گم ہو گیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام و احتیاط کامل ضائع و ہلاک ہو جاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے۔

ولئن تنزلنا فلاشک فی شدة قوته وانہ لمن احسن ما فتی بہ فلا یمن حجر
المفتی عن الافتا بہ ابدًا فیاخیبہ من حکم علیہ بالغلط بغیا وحسدا وکیف یسوغ
ذلک مع اختلاف الفتیا ہنالک ولک الحسد حسک من تعلق بہ ہناک وفیما ذکرنا
عبرة لمن اعتبر وتذکرۃ لمن اراد ان یتذکر وهو جملة یسیرة من مباحث کثیرة فلئن
قنع فقیہ مقنع والافعدنا بحمد اللہ افواج من الکلام فی میدان هذا المقام فیہا
العدد والعدة والباس والشدة فلئن لم ینتہ فیسری ان شا اللہ تعالیٰ شوارق تحقیقات
زہرت فبہرت عیون المنافقین وبوارق تدقیقات سطحت فقطعت قلوب العارضین
وقوله وانا متبری من الحول والقوة اذلاحول ولاقوة الا با العلی العظیم وصلى اللہ

تعالیٰ علی سیدنا ومولنا محمد والہ وصحابہ اجمعین امین! (1)

مزید تفصیل اور اس کا پریکٹیکل دیکھنا ہو تو علامہ قاسم بن قطلوبغا رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی تصحیح القدوری کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کے چند صفحات پڑھ کر ہی الفاظِ افتا کے استعمال کا علم ہو جائے گا۔

صحیح اور اصح کے مسئلے کی تفصیل

صحیح اور اصح کے مسئلے میں تفصیل ہے اور اس میں مختلف اقوال ہیں:

(1) بعض نے فرمایا کہ ہو الاصح کو ہو الصحیح پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ ہو الاصح کا مطلب ہے: یہی زیادہ صحیح ہے۔ جبکہ ہو الصحیح کا مطلب ہے: یہی صحیح ہے۔ تو جو زیادہ صحیح ہے وہی راجح ہو گا۔

(2) اور بعض نے فرمایا کہ ہو الصحیح کو ہو الاصح پر ترجیح دیں گے، کیونکہ جب ہو الصحیح کا مطلب ہے کہ یہی صحیح ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرا قول فاسد ہے۔ گویا صحیح کے قائل کا قول دوسرے کے نزدیک بھی صحیح ہے لیکن زیادہ صحیح دوسرا قول ہے، جبکہ اصح کے قائل کا قول صحیح والے کے نزدیک فاسد ہے تو جس قول کے صحیح ہونے پر دونوں متفق ہیں اسی کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر جگہ ایسا نہیں ہوتا کہ اصح والا قول دوسرے کے نزدیک فاسد ہی ہو۔

(3) اگر ہو الاصح اور ہو الصحیح دونوں الفاظ ایک ہی کتاب میں ایک ہی امام کے ہوں تو

لازمی طور پر ہو الاصح والے قول کو ترجیح دیں گے کیونکہ یہاں متعین ہے کہ یہ زیادہ صحیح دوسرے قول کے مقابلے میں ہی کہا گیا ہے۔ ہاں کبھی کبھار یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی تیسرا قول بھی ہو اور یہ کلام اس تیسرے قول کے اعتبار سے کیا گیا ہو۔

(4) اگر دو اقوال ہیں اور دونوں کے ساتھ ایک ہی طرح کے الفاظ ہیں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس قول پر چاہے فتویٰ دے۔

(5) چوتھے قول پر عمل اس صورت میں کیا جائے گا جب تصحیح کرنے والے فقہائے کرام درجے میں برابر ہوں۔ اگر ایک دوسرے سے علم میں زیادہ ہے تو زیادہ علم والے کی تصحیح کو ترجیح دیں جیسے ایک قول کو فتاویٰ قاضی خان میں صحیح کہا گیا جبکہ دوسرے قول کو فتاویٰ بزازیہ میں صحیح کہا گیا تو فتاویٰ قاضی خان کی تصحیح راجح ہوگی کیونکہ علامہ قاضی خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا علمی مرتبہ زیادہ بلند ہے۔

(6) اگر ایک قول کے ساتھ اصح یا احوط یا ارفق یا اولیٰ وغیرہا کے الفاظ ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دوسرا قول بھی صحیح ہے لیکن جن اقوال کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں انہیں اختیار کیا جائے۔

مفہوم کی مباحث

مفہوم کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مفہوم موافق (2) مفہوم مخالف۔

مفہوم موافق کی وضاحت

جس شے کا حکم کلام میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسی حکم کی دوسری وہ

صورت جسے بیان نہیں کیا گیا اسے پہلے والی دلیل ہی سے ثابت کیا جائے اور یہ ثابت کرنا قیاس و اجتہاد کے ذریعے نہ ہو بلکہ صرف کلام کو سمجھنے کے ساتھ ہی ہو جائے، اس کے لئے دوسرا لفظ دلالتہ النص کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال: قرآن پاک میں فرمایا گیا: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا آفٌ﴾ اور ماں باپ کو اف تک نہ کہو۔ یہ کلام سنتے ہی بغیر قیاس و اجتہاد کے سمجھ آ جاتا ہے کہ جب اف کہنا منع ہے تو ماں باپ کو مارنا اور گالی دینا تو بطریق اولیٰ منع ہے۔

مفہوم مخالف کی وضاحت

جس شے کا حکم کلام میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسی حکم کے برعکس حکم کو، بیان نہ کی جانے والی صورت کیلئے اسی دلیل سے ثابت کیا جائے۔

مثال: قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَأِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا
عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

ترجمہ کنز العرفان: اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جن

دیں۔ (پ 28، الطلاق: 6)

اس آیت میں ان طلاق بائن والی عورتوں کیلئے نفقہ کا ثبوت ہے جو حاملہ ہوں اب دلیل سے یہ سمجھنا کہ جو غیر حاملہ ہو اسے خرچہ نہیں ملے گا یہ مفہوم مخالف ہے۔

احناف و شوافع میں اختلاف

مفہوم موافق تو احناف و شوافع سب کے نزدیک معتبر ہے لیکن مفہوم مخالف شوافع

کے نزدیک معتبر ہے جبکہ احناف کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں عقوبات کے علاوہ میں معتبر نہیں۔ اسکے علاوہ صحابہ کے عقلی کلام، فقہا کے کلام اور عوام الناس کے کلام میں معتبر ہے۔

مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟

مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علما نے کافی تفصیل سے کلام کیا ہے۔ احناف و شوافع کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ ان مباحث سے قطع نظر ہم اس بارے میں احناف کا مختار موقف نقل کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی حاجت اس لئے ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مفتی نہیں بن سکتا جب تک وہ فقہائے کرام کی کتابوں میں سے مفہوم موافق اور مفہوم مخالف سے استدلال کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر لیتا نیز قرآن و حدیث سے استدلال کی صلاحیت بھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک مفہوم کی اقسام اور ان کے ذریعے استدلال کے طریقوں سے واقف نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ،

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: فقہ یہ نہیں کہ کسی جزیئہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی، ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ و وجوہ تکلم و طرق تفہیم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر و احتیاط و تجنب تفریط و افراط و فرق روایات ظاہرہ و نادارہ و تمیز در آیات غامضہ و ظاہر و منطوق و مفہوم و صریح و محتمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل و وزن الفاظ مفتین و سب

مراتبِ ناقلین و عرفِ عام و خاص و عاداتِ بلاد و اشخاص و حالِ زمان و مکان و احوالِ رعایا و سلطان و حفظِ مصالحِ دین و دفعِ مفاسدِ مفسدین و علم و وجوہ تجرید و اسبابِ ترجیح و منابجِ توفیق و مدارکِ تطبیق و مسالکِ تخصیص و مناسکِ تقیید و مشارعِ قیود و شوارعِ مقصود و جمعِ کلام و نقدِ مرامِ فہمِ مراد کا نام ہے کہ تطلع تام و اطلاعِ عام و نظرِ دقیق و فکرِ عمیق و طولِ خدمتِ علم و مہارتِ فن و تیقظِ وافی و ذہنِ صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے اور حقیقتاً وہ نہیں مگر ایک نور کہ ربَّ عَزَّوَجَلَّ کبھی کرم اپنے بندہ کے قلب میں اَلْقَا فرماتا ہے:

وَمَا يَلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَدُرُوا ۖ
 وَمَا يَلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ حَظَّ عَظِيمٌ ﴿٣٥﴾
 ترجمہ کنز العرفان: اور یہ دولت صبر کرنے والوں کو
 ہی ملتی ہے اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو ہی ملتی
 ہے۔ (پ 24، حم السجده: 35)

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحبِ توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامنِ ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہِ تنقیح لیتا ہے تو نیک ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محل پر ڈھلتی ہے اور تمام مخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال کہ سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقتاً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔⁽¹⁾

مفتی عرف سے واقف ہو

مفتی کا عرف اور الفاظ کے استعمال سے واقف ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ طلاق وغیرہ کے بیسیوں مسائل میں طلاق کا فتویٰ دینے کا دار و مدار الفاظ کی پہچان اور ان کے استعمال کی معرفت ہے۔ اگر مفتی کو یہ معلوم نہ ہو گا کہ اہل زبان اس لفظ کو کس معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اس سے کیا کیا مراد لیتے ہیں تب تک اس کے فتوے کا درست ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ،

بحر میں امام کر درمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی مناقب الامام الاعظم سے نقل کیا ہے کہ امام محمد رنگریزوں کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کے معاملات کے بارے میں اور ان کے آپس کے کاروبار کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔

عرف کی بحث

مفتی کیلئے عرف سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر عرف کی پہچان نہ ہوگی تو بیسیوں جگہ خطا کا امکان ہوگا۔

اسی لئے علما فرماتے ہیں: من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل۔
ترجمہ: جو اپنے اہل زمانہ کا عرف نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

عرف کی تعریف

ما استقر فی النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول۔
ترجمہ: عرف وہ ہے جو عقول کے اعتبار سے دلوں میں قرار پکڑ چکا ہو اور سلیم الفطرت طبیعتوں نے اسے قبول کر لیا ہو۔

عرف کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ چنانچہ،

درج ذیل آیت میں عرف کے اعتبار سے ہی حکم دیا گیا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ يَرِزُّهُمْ
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط
ترجمہ کنز العرفان: اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا
کھانا پہننا ہے۔

(پ2، البقرہ: 233)

فقہائے کرام کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ پر واضح ہو گا کہ بہت سے احکام وہ ہیں جن میں انہوں نے مسائل کا دار و مدار عرف پر رکھا ہے اور بعد میں آنے والے فقہانے

عرف کے بدلنے کی وجہ سے ان مسائل میں دوسرا فتویٰ دیا۔ بلکہ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جن میں امام اعظم امام ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے کوئی فتویٰ دیا اور بعد میں آنے والے فقہانے عرف بدلنے کی وجہ سے اس کے برخلاف فتویٰ دیا۔

یہاں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے واضح ہو گا کہ کس طرح عرف کے بدلنے سے مسائل بدل جاتے ہیں یا عرف و تعامل کی بنا پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مثال نمبر 1:

احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ ناجائز ہے لیکن بعد کے علما نے ضرورت و تعامل کی وجہ سے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔

مثال نمبر 2:

امام اعظم رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے فرمایا کہ بادشاہ کے علاوہ کسی کا اکراہِ شرعی معتبر نہیں لیکن بعد کے علما نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ کے علاوہ بھی اکراہِ شرعی معتبر ہے کیونکہ اب بد معاش بھی اسی طرح اکراہ کرنے پر قادر ہیں جیسے بادشاہ ہوتے تھے۔

مثال نمبر 3:

اصل مذہب ہے کہ فساد کے لئے برا بیچینہ کرنے والے پر تاوان نہیں بلکہ فساد کرنے والے پر تاوان ہے لیکن بعد کے علما نے فتویٰ دیا کہ فساد کے ساتھ ساتھ فساد کے لئے کوشش کرنے والے پر بھی تاوان لازم آئے گا۔

مثال نمبر 4:

اصل مذہب یہ ہے کہ اجیر مشترک پر تاوان لازم نہیں لیکن بعد کے علما نے فتویٰ دیا کہ اجیر مشترک پر بھی تاوان لازم ہے کیونکہ اب لوگوں میں وہ دیانتداری باقی نہیں رہی۔

مثال نمبر 5:

یتیم کے مال کا محافظ وصی یتیم کے مال کو خود مضاربت کے طور پر نہیں لے سکتا کہ اس کے مال سے تجارت کر کے کچھ نفع اسے دیدے اور کچھ خود رکھ لے جبکہ اصولاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

مثال نمبر 6:

فقہ حنفی کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی کی زمین یا مکان پر قبضہ کیا اور ایک عرصے بعد واپس کر دیا تو اتنے عرصے کا کرایہ دینا لازم نہیں آتا لیکن یتیم اور وقف کے مال کے بارے میں علما نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے غصب کیا تو اس پر اس عرصے کا تاوان لازم آئے گا۔

مثال نمبر 7:

فقہ حنفی کا اصل حکم یہ ہے کہ وقف کی زمین کو جتنے عرصے کیلئے چاہیں کرائے پر دے سکتے ہیں لیکن بعد کے علما نے فتویٰ دیا کہ زمین کو تین سال اور مکان کو ایک سال سے زائد عرصے کیلئے کرایے پر نہیں دے سکتے کیونکہ زیادہ عرصہ کرائے پر دینے کی صورت میں لوگ ایک مدت کے بعد اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں لہذا وقف کو نقصان سے بچانے کیلئے یہ فتویٰ دیا گیا۔

مثال نمبر 8:

کھیتوں کو بٹائی پر دینے کے بارے میں امام اعظم کا فتویٰ ناجائز ہونے کا ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا نے تعامل کی وجہ سے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔

مثال نمبر 9:

آزاد عاقلہ بالغہ اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو حالاتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے علمائے فتویٰ دیا ہے کہ وہ نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہو گا جبکہ اصل مذہب میں نکاح ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر 10:

تعالل کی وجہ سے حمام وغیرہ میں نہانے کے اجارے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ معلوم نہیں کہ نہانے والا کتنا پانی استعمال کرے گا۔

یہ چند مثالیں بیان کی گئی ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آتی ہے کہ عرف کی وجہ سے مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے۔ لہذا اگر عرف و تعالل کی وجہ سے کسی مسئلے میں حنفی کے اصل حکم کے برخلاف کوئی فتویٰ دیا گیا تو اس وجہ سے فتویٰ دینے والا فقہ حنفی سے خارج نہیں ہو گا کیونکہ اگر اس زمانے میں خود ہمارے امام بھی تشریف فرما ہوتے تو وہ بھی یہی فتویٰ دیتے جو عرف کی وجہ سے اب کے علمائے دینے والے اور یہی وہ چیز ہے جس نے علمائے ہمت پیدا کی کہ وہ اپنے امام کے اقوال موجود ہونے کے باوجود ان کے برخلاف فتویٰ دیں۔

پھر بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مسئلے میں عرف کی وجہ سے تبدیلی کی جاتی ہے لیکن کچھ عرصے بعد وہ عرف بھی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نیا عرف پیدا ہو جاتا ہے تو اب

دوسرے عرف کے مطابق دیا گیا فتویٰ بھی تبدیل کر کے تیسرے عرف کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

عرف کی بنا پر کون مسائل میں تبدیلی کر سکتا ہے؟

عرف کی بنا پر مسائل تبدیل ہوتے ہیں لیکن یہ اختیار کسے ہے اس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ فی زمانہ لوگوں کی جو روش دیکھنے میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ علم میں جتنے ناقص اور فتویٰ دینے میں جتنے کمزور ہیں وہ عرف کی بنا پر فیصلہ کرنے میں اتنے ہی تیز ہیں اور جو علما علم میں جتنے بلند رتبہ والے اور فتویٰ دینے میں جتنے محتاط ہیں وہ عرف و تعامل کی بنا پر فتویٰ دینے میں اتنے ہی خائف ہوتے ہیں۔ ان دوسری قسم کے علما کا عمل قابل تقلید ہے اور یہ علما لائق تحسین ہیں کیونکہ اصل فرق ان دونوں قسم کے علما میں یہ ہے کہ دوسری قسم کے علما چونکہ عرف کی حقیقت، عرف کی اقسام، عرف کے استعمال اور مسائل کی نوعیت اور عرف کی وجہ سے مسئلہ تبدیل کرنے کی نزاکت اور اللہ کی بارگاہ میں گرفت کو سامنے رکھتے ہیں اس لئے وہ مسائل میں تبدیلی سے اتنا ہی ڈرتے ہیں جبکہ پہلی قسم کے علما ان باتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اتنے ہی جبری ہوتے ہیں۔ علما نے یہاں ایسے مفتی کی شرائط بیان کی ہیں جسے یہ اجازت ہے کہ وہ عرف کی بنا پر مسائل میں تبدیلی کر سکے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(1) مفتی شرعی قواعد کا جاننے والا ہو۔

(2) اصول و فروع پر اس کی گہری نظر ہو۔

(3) اس مسئلہ میں متقدمین علما کے فتاویٰ جاننا ہو۔

- (4) عرف کے احکام سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔
- (5) عرف صحیح اور عرف فاسد میں تمیز کرنے پر قادر ہو۔
- (6) عرف خاص اور عرف عام کی مکمل معلومات ہوں۔
- (7) جس عرف میں بطور خاص کلام کرنا ہے اس عرف کے بارے میں مکمل معلومات ہوں کہ یہ عرف موجود بھی ہے یا نہیں؟ یہ نہ ہو کہ دس بارہ آدمیوں سے معلومات ملی تو اسے عرف قرار دے کر فتویٰ تبدیل کر دیا۔
- (8) مسائل شرعیہ میں علمائے جو قیود اور شرائط ذکر کی ہیں انہیں اور ان کے علاوہ جن قیود کو ذکر نہیں کیا انہیں بھی جانتا اور سمجھتا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ علماء کسی چیز کو ذکر کرتے ہیں اور اس کی شرائط کا یا تو ذکر نہیں کرتے یا پھر ایک آدھ شرط کو ذکر کرتے ہیں اور بقیہ شرائط کو مفتی کے فہم پر چھوڑ دیتے ہیں ان مقامات کا سمجھنا مفتی کیلئے نہایت ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شرط فی نفسہ موجود ہو اور مفتی اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس شرط کے بغیر مسئلے کا جواب دیدے۔
- (9) فتویٰ نویسی اور مسائل کی بنا پر مسائل میں تبدیلی یا قاعدہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں رہ کر سیکھ چکا ہو اور اس کی مشق کر چکا ہو۔ اسی وجہ سے نئی مفتی کے آخر میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص فقہا کی تمام کتابیں حفظ بھی کر لے تب بھی اس کیلئے کسی کی خدمت میں بیٹھ کر فتویٰ کی مشق کرنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے مسائل میں اپنے زمانے کے لوگوں کی عرف و عادت اور احوال کو سامنے رکھ کر جواب دینا ہوتا ہے اور یہ بات آدمی

کو خود بخود معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا استاد ہی اسے یہ بات سمجھاتا اور سکھاتا ہے۔

عرف اور اصل حکم میں تعارض کا حکم

جب عرف اصل حکم فقہی کے مقابلے میں آجائے تو مفتی کیلئے ضروری ہے کہ عرف کے قواعد کا خیال رکھتے ہوئے عرف کے مطابق فتویٰ دے اور فقہ کی صرف ظاہری عبارتوں کو دیکھ کر فتویٰ نہ دے۔

عرف کی اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: (1) عرف عام (2) عرف خاص۔

عرف عام وہ ہے جو بہت سارے شہروں کا غالب عرف ہو اور عرف خاص وہ ہے جو خاص علاقے یا خاص قوم کا عرف ہو۔

عرف عام کے ذریعے قیاس کو ترک بھی کیا جاتا ہے اور نص یعنی حدیث وغیرہ کے احکام میں تخصیص بھی کی جاتی ہے لیکن نص کا ترک نہیں کیا جاسکتا جبکہ عرف خاص کی وجہ سے نہ تو نص کو ترک کیا جاسکتا ہے اور نہ نص کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔ عرف خاص کا استعمال نکاح، طلاق، قسم، نذر وغیرہ کے الفاظ میں کیا جاتا ہے یعنی ان چیزوں کے بارے میں کوئی قوم یا علاقے والے جو الفاظ جن معانی میں استعمال کرتے ہیں وہی معانی مراد لئے جائیں گے اور انہی کے مطابق احکام جاری کئے جائیں۔ اسی وجہ سے جب تک کوئی شخص کسی قوم یا علاقے یا زبان والوں کے بارے میں کسی لفظ کی مکمل پہچان نہیں رکھتا تب تک ان الفاظ کے بارے میں ان لوگوں کو فتویٰ نہ دے۔ مثلاً جو شخص پشتو یا پنجابی نہیں جانتا وہ ان

زبان والوں کو ان کے الفاظ کے متعلق فتویٰ نہ دے جب تک ان الفاظ اور ان کے استعمال کے بارے میں مکمل تحقیق نہ کر لے۔

عرفِ عام کی آسان الفاظ میں تفہیم

عرفِ عام کے بارے میں ہم نے جو کلام کیا ہے اس کو درج ذیل مثالوں سے آسانی سمجھ سکتے ہیں۔

مثال نمبر 1:

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس طریقے سے منع فرمایا کہ کوئی شخص چکی والے کو آٹا پیسنے کیلئے غلہ دے اور پھر اسی غلے سے اس کی اجرت مقرر کرے جیسے چکی والے کو دو من گندم دے کر کہا کہ اس کا آٹا پیس دو اور پھر اسی آٹے میں سے چار کلو اجرت کے طور پر رکھ لو۔ اب اسی صورت پر علمائے قیاس کرتے ہوئے فرمایا: کسی شخص نے کسی کو سوت دیا کہ اس کا کپڑا بناؤ اور اجرت کے طور پر اسی کپڑے کا کچھ حصہ رکھ لو۔ گندم والی صورت کو ہم منصوص کہیں گے اور سوت اور کپڑے والی صورت کو ہم نظیر کہیں گے اور اس کا حکم بھی وہی ہوگا کہ یہ ناجائز ہے۔ اب اگر کسی ملک کے تمام شہروں میں رائج ہو جائے کہ گندم کی پسوائی میں آٹا دیتے ہیں اور سوت سے کپڑا بنانے کی اجرت میں وہی کپڑا دیتے ہیں تو اب عرف و تعامل تو دونوں چیزوں میں پایا گیا لیکن عرف و تعامل کی وجہ سے گندم والی صورت کو جائز قرار نہیں دیں گے کیونکہ یہاں نص یعنی حدیث کی صراحتاً مخالفت لازم آرہی ہے اور اسے ترک کرنا پایا جا رہا ہے لیکن سوت سے کپڑا بنانے والی صورت میں عرف و تعامل کی وجہ سے جو از کا فتویٰ

دیں گے کیونکہ اس سے نص کا ترک لازم نہیں آرہا بلکہ ایک صورت کو نص سے علیحدہ کر لینا لازم آرہا ہے اور یہ جائز ہے لیکن اگر اسی جگہ عرف عام اور تعامل کی بجائے عرف خاص ہوتا تو ان کاموں کو جائز قرار نہ دیا جاتا کیونکہ عرف خاص کی وجہ سے نص کی تخصیص نہیں کی جاتی۔

مثال نمبر 2:

نبی کریم ﷺ نے معدوم کی خرید و فروخت سے منع فرمایا یعنی جو چیز موجود ہی نہیں اس کو خریدنا اور بیچنا منع ہے لیکن اس کے باوجود بیع استصناع جائز ہے۔ بیع استصناع یہ ہوتی ہے کہ کسی سے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جو اس وقت اس کے پاس نہیں لیکن وہ بنا کر دے گا جیسے جوتے وغیرہ اس طرح خریدے جاتے ہیں۔ اسے ہماری زبان میں آرڈر پر خریدنا یا آرڈر پر بنوانا کہہ سکتے ہیں۔ اب یہاں غور فرمائیں کہ حدیث میں ایک عام حکم بیان کیا گیا لیکن تعامل اور عرف کی وجہ سے ایک صورت کو اس میں سے خاص کر لیا گیا تو یہ خاص کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ نہیں ہو رہا کہ حدیث پر عمل کو بالکل چھوڑا جا رہا ہے بلکہ دیگر مقامات میں حدیث پر عمل کیا جا رہا ہے اور جہاں تعامل اور عرف عام ہے وہاں رخصت دی جا رہی ہے۔

عرف کی مزید اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: (1) عرف صحیح (2) عرف فاسد۔

عرف صحیح وہ ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہے اور اس کی وجہ سے مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے جبکہ عرف فاسد وہ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں جیسے لوگوں کا سود کھانے، نماز نہ

پڑھنے، داڑھی منڈانے پر عرف ہے تو یہ عرف فاسد ہے اور اس کی وجہ سے مسائل میں ہرگز ہرگز ایک ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے

جیسا کہ یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ عرف کا لحاظ نہیں کرے گا تو لوگوں کے حقوق ضائع کرے گا اور کئی مقامات پر اس کے فتوے کی وجہ سے ظالموں کو مزید ظلم کرنے کی رخصت مل جائے گی۔

جیسے فقہائے کرام نے اسکی کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں:

مثال نمبر 1:

حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین میں کوئی چیز کاشت کرتا ہے اور اس کی زمین اس کاشت کردہ چیز سے بہتر چیز اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس سے جو خرانج وصول کیا جائے وہ اعلیٰ چیز کے اعتبار سے وصول کریں گے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ برحق ہے لیکن فقہائے کرام نے فرمایا کہ حکمرانوں کو یہ مسئلہ نہیں بتایا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ظالم حکمران زمینداروں سے مہنگی سے مہنگی چیز کا خرانج وصول کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے گندم اگائی ہے لیکن زعفران کا خرانج دو کیونکہ تمہاری زمین اس کے اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس صورت میں زمیندار بیچارے حاکموں کے ظلم و تسلط کا شکار ہوں گے۔ اب ایسی جگہ اگر کوئی مفتی اپنے علاقے کے حاکموں کے احوال سے لاعلم ہونے کی وجہ سے کتابوں میں لکھا ہوا مسئلہ بیان کر دے تو نتیجہ لوگوں پر ظلم کی صورت میں نکلے

گا۔ اسی وجہ سے علامہ شامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں: تمہیں ہماری بحث سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مفتی کو کتابوں کی ظاہری عبارتوں پر ڈٹے رہنے اور عرف اور لوگوں کے احوال سے بے خبر رہنے سے بہت سے حقوق کا ضائع کرنا اور ایک کثیر مخلوق پر ظلم کرنا لازم آتا ہے۔

مثال نمبر 2:

کسی جگہ مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ ہو تو امام اعظم کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے محلہ والوں کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کیا اور اہل محلہ میں سے دو نے اس پر گواہی دی تو ان کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا قبول کی جائے گی۔ بعد میں آنے والے علمائے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا کیونکہ موجودہ زمانہ میں امام کے قول پر فتویٰ دینے سے ضرر عام ہوتا ہے، کیونکہ سرکش لوگوں کو اگر پتا چل گیا تو وہ ایسے محلات میں لوگوں کو بے دریغ قتل کریں گے جن میں اہل محلہ کے علاوہ اجنبی لوگ نہ رہتے ہوں، کیونکہ ان کو پتا ہو گا کہ اہل محلہ کی شہادت ان کے خلاف قبول نہ کی جائے گی۔

مثال نمبر 3:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس مسجد کے پاس آبادی کسی وجہ سے ختم ہو گئی ہو تو اس کا ملبہ دوسری مسجد پر نہیں لگایا جاسکتا لیکن جب بعض مشائخ نے اس مسئلہ پر فتویٰ دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ویران مسجد کا ملبہ اٹھا کر لوگوں نے اپنے گھروں میں لگالیا تو پھر علمائے حکم دیا کہ ویران مساجد کا ملبہ دوسری مساجد میں لگایا جاسکتا ہے۔

مثال نمبر 4:

وہ شخص اسی جنس کی کسی چیز پر قدرت پائے تو اپنا حق وصول کر سکتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگ حقوق العباد کا خیال رکھتے تھے تو ان سے حق کا ملنا آسان ہوتا تھا لیکن جب فقہانے یہ دیکھا کہ اس زمانہ میں لوگوں کی دین اس قدر لاپرواہی ہے کہ وہ حقوق العباد کا کچھ بھی خیال نہیں رکھتے بلکہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں تاکہ کسی طرح حق دینے سے جان چھوٹ جائے تو انہیں نے اس بات کی اجازت دی کہ خلاف جنس سے حق وصول کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ قیمت برابر ہو تاکہ حقوق ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

مثال نمبر 5:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ارتداد سے مرد ہو یا عورت اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے لیکن فقہا فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی عورتیں بڑی جبری اور بیباک ہو گئی ہیں تو جب انہیں شوہر سے طلاق نہ ملے گی تو کفر کا ارتکاب کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گی۔ اب چونکہ ہمارے بلاد میں ان کو باندیاں بنانا بھی ممکن نہیں اور نہ ان کو مار پیٹ کر مسلمان کرنے کا امکان ہے تو اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے امام اہلسنت مجدد دین و ملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے یہ فتویٰ دیا کہ مسلمان عورت کے ارتداد سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے۔

ضعیف قول پر عمل کرنے کا حکم

یہ بات شروع کتاب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عمل کرنے والے کیلئے عمل کرنے میں اور مفتی کے لئے فتویٰ دینے میں اور قاضی کیلئے فیصلہ کرنے میں ضروری ہے کہ وہ اس

قول کو اختیار کریں جو اس مذہب میں راجح قول ہے اور ضعیف قول کو اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اس مسئلے میں علامہ سبکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے فرمایا کہ ضعیف قول پر فتویٰ دینے کی تو اجازت نہیں لیکن عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن علامہ ابن حجر مکی کے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ نہ فتویٰ دینے کی اجازت ہے اور نہ عمل کرنے کی۔ علامہ سبکی کے کلام کے پیش نظر علامہ شرنبلالی نے فرمایا کہ فقہ شافعی میں اجازت ہے اور فقہ حنفی میں اجازت نہیں۔ علامہ شامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اس طرح کے تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان اقوال کو یوں آپس میں جمع کر سکتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت تو ضعیف قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن بلا ضرورت عمل کرنے کی اجازت نہیں یعنی تہشی کی صورت میں اجازت نہیں اور تہشی یہ ہے کہ جب چاہا جس قول پر چاہا عمل کر لیا۔

ضرورت کی صورت میں ضعیف قول پر عمل بھی ہو سکتا ہے اور اس پر فتویٰ بھی دے سکتے ہیں اور قاضی کے فیصلہ کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر قاضی مجتہد ہے تو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے اور اگر قاضی مقلد ہے تو اپنے مذہب کے راجح قول پر ہی فیصلہ کرے۔

اگر کسی مسئلہ میں علما کا اختلاف

کسی مسئلے میں ائمہ ترجیح کا اختلاف ہو تو اس کی صورتیں اور ان کا حل تو اوپر بیان کر دیا ہے لیکن اگر اپنے ہم عصر دیگر علما کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو اس سلسلے میں چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

- (1) اکابر علما کی پیروی کرے اور ان کے برخلاف فتویٰ نہ دے۔
- (2) اپنی تحقیق عوام میں ہر گز بیان نہ کرے اور نہ ہی اس مسئلے کو اچھالے۔
- (3) کسی سنی عالم دین کے خلاف سخت زبان استعمال نہ کرے۔
- (4) کسی عالم کا غلط فتویٰ ملے تو فوراً اس کا رد لکھنے اور چھاپنے کی بجائے اس عالم سے رجوع کیا جائے اور اسے مسئلہ سمجھا دیا جائے اور بالفرض اس کے باوجود بھی وہ عالم نہ سمجھے تو اس مسئلے کو جگہ جگہ بیان کرنے کی بجائے بوقتِ ضرورت ہی بیان کرے۔
- (5) اگر کسی عالم سے زبانی گفتگو کرنے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہے تو اپنا نام لکھے بغیر اسے تحریری طور پر سمجھا دے۔
- (6) ان مسائل کو ہر گز نہ چھیڑا جائے جن کا اعتقادی و عملی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں اور بحث مباحثے میں صرف علمیت کے اظہار کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہو۔

مفتی اگر غلط فتویٰ دیدے

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور فرشتوں کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ اس لئے مسئلہ شرعیہ بیان کرنے میں خطا ہو جانا کوئی ناممکن امر نہیں لہذا مسئلہ شرعیہ بیان کرنے میں اگر غلطی ہو جائے تو اس سے رجوع کرنے میں عار نہیں کرنی چاہیے، بلکہ خوش دلی کے ساتھ غلطی کو تسلیم کر کے رجوع کر لینا چاہیے۔

مشہور محدث عبد الرحمن بن مہدی رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کا بیان ہے کہ ایک حدیث پر عبد اللہ بن حسین سے میری گفتگو ہو گئی وہ اس وقت قاضی تھے، چند روز بعد میں پھر ان

کے یہاں گیا تو ملاقاتی دو صفوں میں بیٹھے تھے۔ عبد اللہ بن حسین نے انہی کے سامنے مجھ سے کہا: اس حدیث کے بارے میں تمہاری رائے صحیح ہے اور میں عاجزی کے ساتھ اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں۔ یعنی قاضی ہونے کے باوجود لوگوں کی موجودگی میں رجوع کرنے سے کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی اور یہ بات بھی یاد رہے کہ مسئلہ کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد رجوع نہ کرنا ناجائز و حرام ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كَايَہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

غلط فتویٰ دینے کے بارے میں اہم فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو صاحب جھوٹا مسئلہ بیان کریں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدیدہ کبیرہ ہے اگر قصداً ہے تو شریعت پر افترا ہے اور شریعت پر افترا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر افترا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ (پ 11، یونس: 69)
ترجمہ کنز العرفان: بیشک اللہ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔

اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتویٰ دے۔ حدیث میں ہے نبی صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں: من افتى بغير علم لعنته ملئكة السما والارض۔ جو بغير علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہو اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہو تو مواخذہ نہیں مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے، اس پر اصرار کرے تو پہلی شق یعنی افترا میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم⁽¹⁾

ایک اور جگہ کسی مفتی کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! اس فتویٰ باطلہ کا ابقا ہرگز ٹھیک نہیں۔ باطل کا اعدام و افنا چاہئے نہ کہ تحفظ و ابقاء۔⁽²⁾

اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ایک اور جگہ اسی مسئلے کو بیان فرمایا: مفتی و مصدر قین و مستفتی و اہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٦﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ
الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَوَلَّيْنَاكَ
أُولَئِكَ هُمُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٧﴾ (پ: زمر: 17-18)

ترجمہ کنز العرفان: میرے بندوں کو خوشخبری
سنادو۔ جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر بہتر کی
پیروی کرتے ہیں یہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت
دی اور یہی عقلمند ہیں

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت کی، رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں: ما صر من استغفر جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

1 فتاویٰ رضویہ، 23 / 711 تا 712

2 فتاویٰ رضویہ، 29 / 593

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعة الحق خیر من التمادی فی

الباطل۔ رواہ الدار قطنی والبیہقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔

بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم

رہنے سے بہتر ہے (اس کو دارقطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابو العوام البصری سے روایت کیا ہے)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو ارسال فرمایا۔

خوشی و شادمانی ہے انہیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر

الخطائین التوابون خطا کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے۔ رواہ احمد والتزمذی وابن

ماجة والحاکم وصححه انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّى اللہُ تَعَالَى عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے انہوں نے نبی صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے روایت کیا ہے۔)

حق کی طرف رجوع سے عار و سوسہ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اسکے ارشاد کی اطاعت

جو قرآن مجید میں فرما چکا کہ گناہ پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی

ہے، شیطان سمجھتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ

اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست و نہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنا ل

کہاں راولپنڈی گوڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے،

جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں

اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں: اذ اعملت سيئة فاحدث عندها توبة السربالسر والعلانية۔ رواه الامام احمد في الزهد والطبراني في الكبير عن معاذ بن جبل رضي الله عنه بسند حسن۔

جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔ (اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے بسند حسن روایت کیا) (1)

خاتمہ

فتویٰ نویسی میں استعمال ہونے والے چند اہم اصول

- 1 الْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ
ترجمہ مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔
- 2 الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ
ترجمہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔
- 3 مَا أُبِيحَ لِلضَّرُورَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا
ترجمہ جو چیز ضرورۃً مباح ہو وہ ضرورت کی حد تک مباح رہے گی۔ یعنی ضرورت کے دائرہ سے باہر اسے مباح نہیں سمجھا جائے گا۔
- 4 مَا جَازَ لِعُدْرِ بَطَلٍ بَزْوَالِهِ
ترجمہ جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دی جائے عذر ختم ہو جانے کے بعد اس کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔
- 5 الضَّرَرُ لَا يُزَالُ بِالضَّرْرِ
ترجمہ ضرر کا ازالہ ضرر کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا۔
- 6 يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ ؛ لِأَجْلِ دَفْعِ ضَرَرِ الْعَامِ
ترجمہ ضرر عام کے دفع کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا۔
- 7 أَعْظَمَ ضَرَرًا يُزَالُ بِالْأَخْفِ
ترجمہ زیادہ ضرروالی چیز کم ضرروالی چیز کے ذریعہ زائل کی جائے گی۔

8 مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ، وَهُمَا مُتَسَاوِيَتَانِ يَأْخُذُ بِأَيَّتِهِمَا شَاءَ، وَإِنْ اِخْتَلَفَا يَخْتَارُ
أَهُوَنَهُمَا

ترجمہ جو کسی ایسی دو بلاؤں میں گھر جائے جو قباحت کے لحاظ سے مساوی ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے اور اگر ایک میں قباحت کم ہے دوسرے میں زیادہ تو کم والی کو اختیار کرے۔

9 دَرَّةٌ الْمَقَاسِدِ أَوْلَىٰ مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ

ترجمہ حصول نفع کے مقابلے میں نقصان سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

10 إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضَىٰ، قُدِّمَ الْمَانِعُ

ترجمہ جب مقتضی اور مانع کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو مانع کو ترجیح دی جائے گی۔

11 إِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ

ترجمہ جب کسی مسئلے میں حلال و حرام دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

12 تَصَرَّفَ الْإِمَامُ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوطٌ بِالْمَصْلَحَةِ

ترجمہ عوام کے مسائل و حقوق میں سلطان وقت کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہوں گے۔

13 الْوَلَايَةُ الْخَاصَّةُ أَقْوَىٰ مِنَ الْوَلَايَةِ الْعَامَّةِ

ترجمہ ولایت خاصہ ولایت عامہ کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہوگی۔

14 الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا

ترجمہ امور کا دار و مدار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے۔

15 الْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ

ترجمہ یقین شک سے زائل نہیں ہوگا۔

- 16 مَا ثَبَّتَ بَيِّقِينَ لَا يَرْتَفِعُ إِلَّا بَيِّقِينَ
ترجمہ جو چیز بیقین سے ثابت ہو وہ بیقین ہی کے ذریعہ مرتفع ہوگی۔
- 17 الْأَصْلُ الْعَدَمُ
ترجمہ موجود نہ ہونا ہی اصل ہے۔ نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق ان اوصاف سے ہے جو کسی چیز کو عارض ہوتے ہیں۔
- 18 فَأَلْأَصْلُ الْوُجُودُ
ترجمہ موجود ہونا ہی اصل ہے۔ اس ضابطہ کلیہ کا تعلق کسی چیز کی صفاتِ اصلیہ سے ہے۔
- 19 الْحُدُودُ تُدْرَأُ بِالشَّبهَاتِ
ترجمہ شبہات کی وجہ سے حدود نافذ نہیں کی جاتیں۔
- 20 التَّعْزِيرُ يَثْبُتُ مَعَ الشَّبهَةِ
ترجمہ شبہ بھی تعزیر کے لیے کافی ہے۔ نوٹ: شبہ کہتے ہیں جو ثابت نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو۔
- 21 مَا حَرَّمَ أَخْذَهُ حَرَّمَ إِعْطَاؤَهُ
ترجمہ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔
- 22 مَا حَرَّمَ فَعَلُهُ حَرَّمَ طَلْبَهُ
ترجمہ جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔
- 23 لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيْنِ خَطْؤُهُ
ترجمہ اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کا غلط ہونا ظاہر ہو۔
- 24 ذَكَرَ بَعْضُ مَا لَا يَنْتَجِزًا كَذَكَرِ كَلِّهِ
ترجمہ بعض نے ذکر کیا ہے جو انتزاعی ہے جیسا کہ ذکرِ کالی کا ہے۔

- ترجمہ کسی ایسے ٹکڑے کا ذکر جو کل سے الگ نہ کیا جاسکے کل کے ذکر کی طرح ہے۔
- 25 إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ أَضِيفَ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ
- ترجمہ جب کسی کام کا مرتکب اور سبب دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کا تعلق مرتکب کے ساتھ ہو گا۔
- 26 إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَىٰ مِنْ إِهْمَالِهِ مِنْ فُرُوعِهِ
- ترجمہ کسی کلام کو بامعنی بنانا اسے مہمل بنانے سے بہتر ہے۔
- 27 التَّابِعُ تَابِعٌ
- ترجمہ وجود میں تابع حکم میں بھی تابع ہوتا ہے۔
- 28 التَّابِعُ يَسْقُطُ بِسُقُوطِ الْمَتَّبِعِ
- ترجمہ متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ہے۔
- 29 يَسْقُطُ الْفَرْعُ إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ
- ترجمہ اصل جب ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے۔
- 30 الْحَرْبُ خُدْعَةٌ
- ترجمہ جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھنے کا نام ہے۔
- 31 الثَّابِتُ بِالْعَرَفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ
- ترجمہ عرف کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو اس کا نفاذ بالکل ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی چیز نقص کے ذریعہ ثابت ہو۔
- 32 الْعَادَةُ تَجْعَلُ حَكْمًا إِذَا لَمْ يَوْجَدْ التَّصْرِيحَ بِخِلَافِهِ
- ترجمہ عادت و عرف پر وہاں حکم لگایا جائے گا جہاں نص صریح اس کے مخالف نہ ہو۔
- 33 الْبِنَاءُ عَلَى الظَّاهِرِ وَاجِبٌ مَالِمُ يَتَبَيَّنُ خِلَافَهُ
- ترجمہ ظاہر پر حکم کی بنیاد رکھنا واجب ہے جب تک اس کے خلاف ثبوت نہ ہو۔

تمت بالخیر